حسن بن صباح

حسن بن صباح

تالیف پروفیسر جواد المسقطی

ترجمہ و حواشی جون ایلیا

شائع کردہ:-

ہزہائی نس پرنس آغاخان

شیعہ امامی اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان

۲۲۰/۱ ڈی کروز روڈ۔ گارڈن ایسٹ

کراچی

فہرست مضامین

حصۂ چہارم

حصۂ پنجم

حصۂ ششم

تاریخی پس منظر

تاریخی حقیقت کو افسانہ بنا دینے اور افسانے کو تاریخی حقیقت کے طور پر پیش کرنے کا رجحان ایک ایسا رجحان ہے جس کا مظاہرہ تصنیف وتالیف کی دنیا میں اکثر ہوتا رہا ہے یہ رجحان دراصل لکھنے والوں کی اس کوشش اور پڑھنے والوں کی اس خواہش سے جنم لیتا ہے کہ حقیقت اور واقعیت میں داستانوں کی سی دلچسپی اور حیرت آفرینی کا عنصر تخلیق اور تلاش کیا جائے۔ اعجوبہ پسندی کا یہ رجحان افسانے کو حقیقت اور حقیقت کو افسانے میں بدل دیتا ہے۔ یہ طرزِ عمل تاریخ اور داستان دونوں کے ساتھ سخت ظلم اور ناانصافی ہے۔ جو تحریریں حسن بن صباح کے بارے میں لکھی گئی ہیں اُن میں سے اکثر اس طرزِ عمل کی بہترین مثال پیش کرتی ہیں۔ حسن بن صباح کو مختلف تصنیفات اور تذکروں میں قلم کی "قابلِ داد" روانی کے ساتھ ایک ایسے خون آشام عفریت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو مسلم معاشرے کے بیش بہا عناصر کو فنا کر دینا چاہتا تھا اور جس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ اپنے "فدائیوں" کے ذریعے قتل اور دہشت گردی کا طوفان برپا کر کے اپنا اقتدار مسلط کر دے۔ بعض اہلِ قلم نے اسے ملحد اور بے دین ٹھہرایا ہے۔ ان کے خیال میں یہ "ملحد" اور "بے دین" اپنے گمراہ کن خیالات کو فریب کاری، شعبدہ بازی یا خنجر کے آزادانہ استعمال کے ذریعے پھیلانا چاہتا تھا اور اسے جو بھی کامیابی اور حمایت نصیب ہوئی وہ محض اس لیے کہ وہ ایک ساحر تھا اور لوگوں کو اپنے سحر کے ذریعے اپنے خیالات کا حامی اور اپنا فدائی

بنالیتا تھا۔ گویا مسلم تاریخ کا وہ باب جو حسن اور اس کی تحریک سے تعلق رکھتا ہے محض جادوگری کا نتیجہ ہے۔

اس کے برعکس ایک گروہ اسے نکوکاری، حرمت اور عظمت کا ہالہ پہنا تا ہے۔ اگر ان تمام باتوں کا کوئی بھی مفہوم ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ مصنفوں نے حسن کے بارے میں خاطر خواہ مطالعہ کئے بغیر اپنی رائے کے اظہار میں غیر ذمہ دارانہ جلد بازی سے کام لیا مثلاً ڈاکٹر احمد امین مصری ایسے ممتاز مصنف نے حسن کو حضرت علیؑ کی اولاد میں بتایا ہے (۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ قلم نے حسن کے باب میں قلم فرسائی کرتے ہوئے کتنی بے احتیاطی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ حسن سے متعلق تاریخی حقائق اور واقعات کا جائزہ لیے بغیر افواہوں کو حقیقت کا مرتبہ دیتے ہیں۔

حسن کی وفات کو تقریباً نوسو برس گذر چکے ہیں لیکن نزاری اسماعیلیوں کا یہ عظیم المرتبت اور ذہین داعی اب بھی مسلمان مصنفوں اور مورخوں کے درمیان ایک نا اختتام پذیر بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ اس کے بارے میں آج تک کوئی اطمینان بخش بات نہیں کہہ سکے مصنفوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے تعصب سے بلند ہونے کی کوشش کی ہے مگر یہ کہ انھوں نے واقعات کو محض سیاسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے وہ حسن کے اعمال اور مساعی پر ایک مخصوص انداز سے نظر ڈالتے ہیں۔ اور ان واقعات کا تجزیہ اور توجیہہ سیاسی انداز میں کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حسن نے جو کچھ کیا وہ اس دور کے سماجی نظام کو بدلنا اور عباسی اور سلجوقی اقتدار کو ختم کرکے ایک سیاسی انقلاب برپا کرنا تھا۔ گویا حسن فقط ایک سیاسی رہنما تھا اور اس کی ساری کوششیں سیاسی نوعیت کی تھیں۔ اسے اسماعیلی مسلک اور اسماعیلیوں کے نزاری گروہ کی دعوت تو یہ وہ لبادے تھے جو اس

نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے اوڑھ رکھے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ عوام کو حقیقت اور صداقت کی بجائے مذہبی جذبات کے ذریعے زیادہ آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کے خیال میں اس نے مصر کے فاطمی خلیفہ حضرت امام مستنصر باللہ علیہ السّلام کے بڑے فرزند حضرت نزار کو امام مستور قرار دیا اور نزاری اسماعیلیوں کو اس امام کے ظہور پر ایک مثالی مستقبل اور مثالی معاشرے کی امید دلائی۔ بہر حال یہ مصنفین حسن کو اس طرح دیکھتے ہیں۔ وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ حسن اپنے مذہبی اور روحانی مسلک میں مخلص بھی ہو سکتا تھا۔ وہ یہ بات بھی ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ حسن اپنے اعمال کو اس خالص مذہبی ضرورت کے طور پر جائز قرار دے سکتا تھا جو ذاتی اور سیاسی اغراض سے بالا تر ہوتی ہے۔ وہ یہ تصور نہیں کر سکتے کہ حسن کا ذہن مذہب سے متاثر ہو سکتا تھا۔ ان لوگوں کے خیال میں انسانوں کی بس دو ہی قسمیں ہوتی ہیں جیسا کہ عرب شاعر ابوالعلا معرّی نے کہا ہے۔

اثنانِ اهل الارض ذو عقل بلا دین والآخر دیّن لا عقل له

یعنی" انسان دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو عقل رکھتے ہیں اور دین نہیں رکھتے اور دوسرے وہ جو دین رکھتے ہیں اور عقل نہیں رکھتے"۔ ان لوگوں کے خیال میں حسن مذہبی آدمی نہیں تھا اور نہ کوئی تخریب پسند شخص تھا بلکہ ایک خالص سیاسی آدمی تھا جو اقتدار کی خواہش رکھتا تھا اور اقتدار کے حصول کے لیئے اس نے اپنے زمانے کے سیاسی طریقوں کو اپنایا تھا۔ حسن کی شخصیت کو سمجھنے میں یہ مصنفین بھی دوسروں سے کچھ بہتر ثابت نہیں ہوئے۔ اگر حسن وہی تھا جو ان لوگوں نے اسے سمجھا ہے تو اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے فقر، نفس کشی اور روحانیت کی زندگی کیوں اختیار کی۔ اگر وہ چاہتا

تو زندگی کی تمام آسائشیں حاصل کر سکتا تھا مگر اس نے سادگی اور ترکِ لذات کی زندگی اختیار کی۔ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ قلعہ الموت میں حسن کی زندگی نفس کشی، زہد اور ترکِ لذات پر مبنی تھی۔ اس کے فدائی بھی ان ہی اوصاف کے مالک تھے۔ اس نے انہیں مذہبی تربیت دی تھی اور ان پر ضبطِ نفس کے ایک سخت گیر نظام کو نافذ کیا تھا۔ اس نے انہیں شراب نوشی اور دوسرے غیر شرعی کاموں کا ارتکاب کرنے سے منع کر رکھا تھا (۱) اس نے اپنے ایک بیٹے محمد کو شراب نوشی اور دوسرے بیٹے حسین کو قتل کے الزام میں موت کی سزا دی تھی (۲) اس نے اپنے ایک عزیز فدائی کو قلعہ الموت سے اس لئے نکلوا دیا تھا کہ اس نے بانسری بجائی تھی (۳) ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ اس کی بیوی اور بیٹیاں کتائی کر کے روزی کماتی تھیں (۴)

---

۱ - تاریخ جہانکشا مطبوعہ لیڈن جلد سوم ص۲۱۰
جامع التواریخ ص۱۴۳ تاریخ گزیدہ ص۵۳۱ - حسن صباح، کریم کشاورز ص۲۱۸

۲ - تاریخ جہانکشا جلد سوم ص۲۰۹ ص۲۱۰ جامع التواریخ ص۱۴۲ روضۃ الصفا جلد ۴ ص۷۶ - تاریخ گزیدہ ص۵۲۱ میں لکھا ہے کہ حسین کو یہ سزا زنا کے الزام میں دی گئی تھی۔

۳ - تاریخ جہانکشا جلد سوم ص۲۱۰ - جامع التواریخ ص۱۴۳ -

۴ - تاریخ جہانکشا جلد سوم ص۲۱۱ - جامع التواریخ ص۱۴۳

ظاہر ہے کہ حسن یہ سب کچھ کرنے پر مجبور نہیں تھا۔ اسے کسی کے سامنے جواب دہی نہیں کرنی تھی۔ اس کے سوا بھلا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ امور اس کے مذہبی اور روحانی نظام کا حصہ تھے۔ ایسے کٹر مذہب پرست کہہ کر اس پر شدید تنقید کرنا بالکل قابلِ فہم ہے لیکن اس کے بارے میں کوئی برعکس بات کہنا ممکن نہیں۔

حسن کی حقیقت ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی جو اس کی زندگی کو اس کے زمانے کے حالات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کیوں کہ تاریخ بہرحال الگ الگ واقعات کا مطالعہ نہیں ہے۔ یہ واقعات دراصل پس منظر میں چھپے ہوئے نفسیاتی اور مادی حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ حقیقت اور واقعیت کو تلاش کرنا چاہتے ہیں ان کے لیئے ضروری ہے کہ تاریخ کو ہر زاویے سے دیکھنے کی کوشش کریں اور زیرِ مطالعہ عہد کی روح کو سمجھنے کی ذمہ داری ادا کریں اس لیے کہ صحیح نقطۂ نظر تک پہنچنا اس طرح ممکن ہے کہ واقعات کو ان اسباب و علل اور سیاق و سباق کے حوالے سے دیکھا جائے جو علت کو معلول سے اور حال کو ماضی سے ملاتے ہیں۔ تاریخ علت و معلول کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ قوموں اور شخصیتوں کے عروج و زوال میں بخت و اتفاق کا نہیں علیت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ تاریخ نویسی کا فن اس بات کا متقاضی ہے کہ ان تمام عوامل کا جائزہ لیا جائے جو کسی فرد یا قوم کے اعمال میں کار فرما ہوتے ہیں۔ پس اگر ہمیں حسن کی زندگی اور اس کے اعمال و کردار کی صحیح تصویر دیکھنا ہے تو ہمارے لیئے نہ صرف ان حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے جن میں حسن نے زندگی

گزاری بلکہ ان حالات کا بھی جو اس کے زمانے سے پہلے پیش آئے۔

تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے دوران اسلامی دنیا انتشار کا مرقع تھی مسلمانوں کی زندگی نوع بہ نوع تضادات کے درمیان کشمکش سے دوچار تھی۔ ذہنی زندگی کا معیار بلند تر تھا علمی ادارے فروغ پا رہے تھے اور لوگ علم کا بہت ذوق رکھتے تھے مگر مسلم معاشرے کی ہر سطح پر اور ہر طبقے میں انتشار نمایاں تھا معاشی صورت حال بہت بگڑ چکی تھی۔ لوگ گرانی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ نظم و نسق مفقود تھا۔ لاقانونیت اور مذہبی نزاع عروج پر تھے مشتعل عوام فوج سے ٹکرا جاتے تھے دکانیں لوٹی جا رہی تھیں۔ پل جلائے جا رہے تھے۔ مسجدوں کے منبر توڑے جا رہے تھے (۱) عباسی خلافت میں کمزوری راہ پا چکی تھی اور زوال کے خیمے گڑھ چکے تھے۔ خلافت چھوٹی چھوٹی ولایتوں میں بٹ چکی تھی اور یہ ولایتیں ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں۔ اندلس میں ایک زمانے سے بنو امیہ کا اقتدار قائم تھا۔ مصر میں اخشیدیوں کی حکومت اور استقلال کا علم لہرا رہا تھا۔ شمال مغربی افریقہ میں فاطمی خلافت قائم تھی۔ حلب اور سرحدی علاقوں پر حمدانی قابض تھے۔ عراق پر دیلمیوں کا قبضہ تھا۔ یمامہ بحرین عمان اور اندرونِ

(۱) المنتظم، کتاب البدایہ والنہایہ اور دوسری تاریخوں کے علاوہ کامل ابن اثیر کی ساتویں، آٹھویں اور نویں جلد میں یہ واقعات جگہ جگہ نقل کیے گئے ہیں۔

بصرہ میں قرامطہ کی عملداری تھی۔ اہواز اور فارس میں آل بویہ صاحب اقتدار تھے۔ خراسان اور ماوراء النہر سامانیوں کے پاس تھا۔ سبکتگین کی اولاد ہندوستان اور افغانستان پر برسر اقتدار تھی اور علوی طبرستان پر حکومت کر رہے تھے۔ مختصر یہ کہ عباسی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی اور اس کا دائرہ اثر سکڑتا چلا جا رہا تھا۔ اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مسلمان اور بطور خاص عرب عباسیوں کے اقتدار سے خوش نہیں تھے کیونکہ عباسی خلافت کی انتظامیہ میں ایرانیوں اور ترکوں کو بہت زیادہ رسوخ حاصل تھا اور عرب ان دونوں قوموں کو اپنا مفتوح سمجھتے تھے۔ غرض عباسی اقتدار کے خاتمے تک مسلم معاشرہ خانہ جنگیوں کی آماجگاہ بنا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ عباسی خلافت مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں تھی۔ اخلاقی اعتبار سے بنو عباس، بنو امیہ سے زیادہ مختلف ثابت نہیں ہوئے۔ پھر یہ کہ انھوں نے اپنے اقتدار میں ایرانیوں اور ترکوں کو شریک کر کے عربوں کو ناراض کیا اور ایرانیوں کا استحصال کر کے ایرانیوں کو، چنانچہ ان مختلف اور برسرپیکار گروہوں نے عباسی خلافت کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔ عباسیوں کے کمزور ہو جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اہل بیت اور علویوں سے بنو امیہ کے مقابلے میں کچھ کم بے رحمی سے پیش نہیں آئے۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ایسے لوگ بھی عباسیوں کے خلاف تھے۔ غرض مختلف معاشی سماجی طبقاتی اخلاقی اور جذباتی اسباب مل کر عباسیوں کے زوال کی وجہ بنے۔ یہاں اس زمانے کے عام حالات کا جائزہ لینا مناسب ہو گا جن کی بنا پر حسن بن صباح اور دوسرے افراد

Scanned by CamScanner

...ن کے خلاف، پرچم لہرایا۔

صفاریہ | صفاریہ خاندان کی بنیاد سجستان میں یعقوب بن لیث صفار نے رکھی تھی جو عباسی خلیفہ معتز کے زمانے (۲۵۲ھ/۸۶۶ء - ۲۵۵ھ/۸۶۹ء) میں بہت بارسوخ شخص تھا۔ یعقوب نے اپنا دائرہ اثر کرمان، فارس، خراسان اور طبرستان کے صوبوں تک پھیلا دیا تھا۔ یہ ریاست عباسی سلطنت کے لئے بہت بڑا خطرہ بن گئی تھی۔ جب اس کا اثر بڑھا تو معتمد عباسی (۲۵۶ھ/۸۷۰ء - ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) نے اسمٰعیل بن احمد سامانی کو ۲۸۲ھ میں صفاریوں کی سرکوبی کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ اسمٰعیل نے صفاریوں کی فوجوں کو شکست دی مگر اس سے عباسیوں کا مسئلہ حل نہ ہو سکا اس لیئے کہ جب سامانیوں نے اپنا اقتدار مستحکم کرلیا تو انھوں نے مطلق العنانی اختیار کرلی اور اپنے پیش رؤوں کی طرح ایک آزاد سامانی ریاست قائم کرلی۔

سامانیہ | سامان بلخ کے ایک سربرآوردہ زردشتی خاندان کا چشم و چراغ تھا اور خراسان کے حکمران اسد بن عبد اللہ کی کوشش سے مسلمان ہوا تھا۔ سامان نے اپنے ایک بیٹے کا نام اپنے اسی مربی کے نام پر اسد رکھا۔ ۲۰۴ھ/۸۱۹ء میں عباسی خلیفہ مامون نے اسد بن سامان کے بیٹوں کی خدمات کے صلے کے طور پر انھیں مختلف ولایتیں سونپ دیں۔ نوح کو سمرقند، احمد کو فرغانہ، یحیٰی کو شاش اور الیاس کو ہرات کا والی مقرر کیا۔ احمد اپنے بھائیوں پر اپنی سیاسی اور فوجی برتری کی بنا پر غالب آگیا اس نے سمرقند اور کاشغر کو بھی اپنی ولایت میں شامل کرلیا۔ اس کے بیٹے اسمٰعیل کے ہاتھوں خراسان کے صفاریوں کی شکست کا

اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اسماعیل ہی نے علوی خاندان کے محمد بن زید سے طبرستان بھی چھین لیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی حکومت خلیج فارس سے شمالی صحراؤں تک اور ہندوستان کی سرحدوں سے بغداد کے قرب و جوار تک پھیل گئی۔ احمد کے بعد اس کے بیٹے نصر نے مکمل مطلق العنانی اختیار کرلی۔ یہ خلیفہ معتمد کا زمانہ تھا۔ نصر نے عباسی خلافت سے اپنا تعلق توڑ لیا اور ایک آزاد حکومت کی بنیاد ڈالی اس نے اپنا مذہب بھی تبدیل کرلیا اور عباسیوں کے حریف فاطمیوں کے عقائد اختیار کرلیے۔ پہلے فاطمی خلیفہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے زمانے میں وہ اسماعیلی داعی ابو عبد اللہ النسفی کے ہاتھوں اسماعیلیت کا پیرو بن گیا۔ سامانیوں کے عہد میں شاہنامے کے مشہور شاعر فردوسی نے اپنی ادبی زندگی شروع کی۔ ابو بکر رازی اور شیخ ابو علی ابن سینا بھی کچھ عرصے تک سامانی دربار سے وابستہ رہے۔ اس خاندان میں گیارہ بادشاہ ہوئے جن میں پہلا نصر بن احمد سامان اور آخری اسماعیل ابن نوح تھا۔ ان کا اقتدار ۳۹۵ھ/۱۰۰۵ء تک قائم رہا جس کے بعد غزنویوں نے ان کی جگہ لے لی۔

زیاری | ۳۱۶ھ/۹۲۸ء میں دیلمی سردار مرداویج بن زیار نے جرجان میں زیاری حکومت قائم کی مرداویج نے ۳۱۵ھ/۹۲۷ء میں بغاوت کی جرجان کے حاکم اصفر بن شیرویہ کو قتل کیا اور قزوین، رے، ہمدان، کنکور، دینور، قم، کاشان، اصفہان اور طبرستان وغیرہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے اپنے لیے ایک سونے کا تخت

بنوایا۔ خلیفہ مقتدر نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کیا
لیکن عباسی لشکر کو شکست ہوئی اور زیار نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ زیار
کے خلاف اپنی مدافعت نہ کر سکے۔ خلیفہ مقتدر کو ان حالات
پر قانع ہونا پڑا۔ زیاری حکومت سنہ ۴۳۰ھ / ۱۰۳۹ء تک قائم رہی۔ اس
خاندان میں چھ بادشاہ ہوئے پہلا مرداویج بن زیار اور آخری
نوشیروان بن منوچہر۔ اس خاندان کے چوتھے بادشاہ قابوس بن
وشمگیر کے زمانے میں اُس علاقے میں جو اب افغانستان کہلاتا
ہے غزنوی حکومت وجود میں آئی۔

غزنوی اس خاندان کا بانی سامانی ریاست میں غزنی
کی فوج کے کماندار ابو اسحاق بن الپتگین کا غلام سبکتگین تھا۔
الپتگین نے اپنی موت سے پہلے ہی سبکتگین کو فوج کا کماندار
بنا دیا تھا کیونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اس کے بعد سنہ ۳۶۶ھ / ۹۷۷ء
میں سبکتگین غزنی پر قابض ہو گیا۔ اس کی حکومت بہت طاقتور
ہو گئی یہاں تک کہ اس نے ہندوستان پر کئی حملے کیے اور یہاں
کے کئی علاقوں پر قابض ہو گیا۔ یہی سبکتگین غزنوی خاندان کا بانی
ہے۔ اس کی موت کے وقت اس کا بڑا بیٹا محمود نیشاپور میں تھا۔
اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سبکتگین کے چھوٹے
بیٹے اسماعیل نے بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ محمود نے اسے خط
کے ذریعے اپنے حق سے آگاہ کیا لیکن اسماعیل نے جواب نہیں دیا
چنانچہ محمود نے اسماعیل سے جنگ کی اور اس کو قید کر لیا۔ غزنوی
تخت پر قبضے کے بعد محمود نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ محمود
غزنوی، غزنوی خاندان کا طاقتور ترین بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے

ہندوستان پر کئی حملے کیے اور یہ محمود ہی تھا جس نے سامانی
ریاست کا خاتمہ کیا۔ محمود ہی کے زمانے میں مشہور ریاضی داں
اور فلسفی ابو ریحان البیرونی اور عظیم شاعر فردوسی گزرے ہیں۔
غزنویوں کا دور حکومت دو سو تیرہ برس رہا۔ اس خاندان میں سترہ
بادشاہ ہوئے۔ پہلا سبکتگین اور آخری ملک شاہ بن خسرو۔

اخشیدی اور فاطمی اخشیدیوں کی حکومت مصر میں تھی
(اخشید ایک فرغانی لفظ ہے جس کے معنی شہنشاہ ہیں)
عباسی خلیفہ راضی باللہ نے محمد بن طغج کو سنہ ۳۲۳ھ / ۹۳۵ء میں مصر کا والی
مقرر کیا تھا۔ طغج بادشاہ بننے کا خواہشمند تھا۔ راضی نے اس کو
برطرف کرنے کی بے سود کوششیں کیں۔ اس خاندان کی حکومت
سنہ ۳۲۳ھ / ۹۳۵ء سے سنہ ۳۵۸ھ / ۹۶۶ء تک قائم رہی۔ اس میں پانچ بادشاہ
ہوئے۔ پہلا محمد بن طغج اخشید اور آخری ابوالفوارس بن علی
تھا۔ ابوالفوارس کو فاطمی خلیفہ حضرت امام معز الدین للہ کے سپہ سالار جوہر
صقلی سے جنگ کرنی پڑی۔ آخر کار مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہو گیا۔
مصر میں فاطمی خلافت دو سو نو (۲۰۹) برس قائم رہی۔ اس عرصے میں فاطمی
حکومت کی سرحدیں پھیلتی رہیں یہاں تک کہ حضرت امام مستنصر باللہ
کے زمانے میں بغداد بھی فاطمی سلطنت کے زیر اثر آ گیا اور وہاں
ایک سال تک حضرت امام مستنصر کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ مصر میں چودہ (۱۴) فاطمی
خلیفہ ہوئے جن میں پہلے معز تھے اور آخری عاضد۔ عاضد کی
وفات سنہ ۵۶۷ھ / ۱۱۷۱ء کے بعد صلاح الدین ایوبی نے مصر کی حکومت
پر قبضہ کر لیا۔

آل بویہ آل بویہ کی حکومت عباسی خلیفہ قاہر کے دور خلافت

میں ۳۳۱ھ/۹۳۲ء کے قریب قائم ہوئی جس کا قیام تین بھائیوں علی بن بویہ، حسن بن بویہ اور احمد بن بویہ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ تینوں طبرستان کے دیلمی سردار ماکان بن کاکی کی ملازمت میں تھے۔ جب مرداویج بن زیار نے طبرستان پر قبضہ کیا تو یہ بھائی زیار کی ملازمت میں چلے گئے۔ علی بن بویہ کو کرج کا والی بنایا گیا یہاں کے لوگوں نے اسے بہت پسند کیا اور اپنا حاکم بنا لیا۔ اس کے بعد علی نے اپنی حکومت اصفہان اور ارنجان تک بڑھا لی۔ اس نے اپنے بھائی حسن کو گازرون اور فارس کے دوسرے علاقوں میں بھیجا۔ اس نے بہت دولت جمع کی اور شیراز پر بھی قبضہ کر لیا۔ احمد نے متکفی عباسی کے زمانے میں بغداد پر بھی قبضہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے مستکفی، احمد کو معزالدّولہ علی کو عمادالدّولہ اور حسن کو رکن الدّولہ کے خطابات دینے پر مجبور ہو گیا اور ان بھائیوں کے نام کے سکے چلنے لگے۔ اصل اقتدار ان تینوں بھائیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا اور صرف نام کا اقتدار عباسی خلیفہ کے پاس رہ گیا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جب معزالدّولہ نے سنا کہ مستکفی ان کے خلاف سازشیں کر رہا ہے تو اس نے دو دیلمیوں کو بھیجا جو خلیفہ کو اس کے بستر سے کھینچ کر معزالدّولہ کے گھر تک پیدل لے گئے۔ معزالدّولہ نے مستکفی کو برطرف کر دیا اور اس کی موت تک اسے قید رکھا۔ یہ خاندان ایک سو پچیس ۱۲۵ سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس سلسلے میں عجیب بات یہ ہے کہ عباسیوں کی خلافت آل بویہ کے قبضے میں تھی جو شیعہ تھے۔ ۴۴۷ھ میں آل بویہ کا اقتدار ختم ہو گیا اور اس کی جگہ سلجوقی اقتدار نے لے لی۔ حسن بن صباح کا تعلق اسی

دور سے ہے۔

سلجوقی یہ لوگ خزر نسل کے ترک تھے۔ اس خاندان کا بانی سلجوق تھا اور ان لوگوں کی حکومت دو سو اکہتر ۲۷۱ برس تک قائم رہی۔ شروع میں سلجوق ترک بادشاہ بیغو کی فوج میں ایک افسر تھا۔ بادشاہ سے اختلاف کے نتیجے میں اس نے اپنے قبیلے اور حامیوں کو جمع کیا اور اسلامی ملکوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے ترک علاقوں پر حملے شروع کیے اور ترک حاکموں کو نکال باہر کیا۔ اس نے اپنا دائرہ اثر فارس اور خراسان تک بڑھا لیا۔ ۴۲۹ھ/۱۰۳۸ء میں مرو کے منبروں پر داؤد بن میکائیل بن سلجوق کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا۔ تقریباً اسی زمانے میں داؤد کا بھائی طغرل بیگ بن میکائیل بن سلجوق نیشاپور، بلخ، جرجان، طبرستان، خوارزم منطقتہ الجبال، ہمدان، حلوان اور رے پر قابض ہو گیا یہاں تک کہ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں طغرل بیگ بغداد جا پہنچا۔ عباسی خلیفہ نے اسے سلطان تسلیم کر لیا۔ ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں طغرل کی وفات ہو گئی اور اس کا جانشین الپ ارسلان ہوا جو سلجوقیوں کا عظیم ترین بادشاہ گزرا ہے۔

سلجوقیوں کے دور حکومت کے آغاز پر اسلامی دنیا انتشار کا شکار تھی۔ سلجوقی نومسلم تھے اور شہری زندگی کی پیچیدگیاں اور مذہبی اختلافات ان کے لیے بالکل نئی چیزیں تھیں۔ وہ اسلام کے سلسلے میں بہت پرجوش تھے اور انھوں نے حتی المقدور بغداد کے خلیفہ کو اسلامی دنیا کے اتحاد کا مرکز بنانا چاہا مگر مذہبی اور سیاسی انتشار کے جراثیم نے انھیں

...ن متاثر کیا۔ جب سلجوقیوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا تو ان کا مذہبی جوش اقتدار پسندی میں تبدیل ہو گیا اور وہ سیاسی کشمکش اور آویزشوں میں شریک ہو گئے یہاں تک کہ ان کی حکومت بہت عرصے تک خانہ جنگی کا ہدف بنی رہی۔

سیدنا حسن بن صباحؒ کے حالات سلجوقی دور حکومت سے براہ راست تعلق رکھتے تھے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان حالات کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے جن کے نتیجے میں حسن بن صباح نے قلعہ الموت میں قیام و استحکام حاصل کیا۔ اب ہم سلجوقی خاندان کے بارے میں ابن اثیر کے بیان کے خاص خاص پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔ جب قاوردت نے اپنے بھائی الپ ارسلان کی موت کی خبر سنی تو وہ اس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے رے کی طرف بڑھا۔ الپ ارسلان کے بیٹے سلطان ملک شاہ اور وزیر نظام الملک طوسی نے قاروت کو رے پہنچنے سے پہلے ہی جا لیا اور ہمدان کے قریب ان کا مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں قاروت کو شکست ہوئی جس کے نتیجے میں اس کو فرار ہونا پڑا مگر اسے گرفتار کر لیا گیا اور ملک شاہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

سلطان ملک شاہ کے کئی بیٹے ہوئے۔ برکیاروق جس کی ماں زبیدہ تھی۔ محمود جس کی ماں ترکان خاتون تھی اور محمد اور سنجر جو حقیقی بھائی تھے۔ جب ملک شاہ کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی ترکان خاتون نے اس کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھا۔ اس نے امیروں اور سرداروں کو خط لکھے اور ان سے اپنے بیٹے محمود کے حق میں وفاداری کا حلف لے لیا۔ اس وقت محمود کی عمر چار سال اور چند ماہ

تھی۔ جن امیروں سے ترکان خاتون نے بات کی تھی ان میں اسماعیل بھی شامل تھا جو برکیارق کا ماموں تھا۔ خاتون نے اسماعیل کو شادی کا لالچ دے کر اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ اپنے بھانجے برکیاروق کے خلاف جنگ کرے۔ اسماعیل نے خاتون کے اشارے پر ایک بڑی فوج جمع کی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو اس کے آدمیوں نے اسے مار ڈالا۔ ترکان خاتون نے خلیفہ مقتدی کو لکھا کہ وہ اس کے بیٹے کا نام خطبے میں شامل کرے۔ خلیفہ نے اس کے بیٹے کو سلطان تسلیم کرنے اور خطبے میں اس کا نام شامل کرنے کی یہ شرط رکھی کہ تاج الملک، فوج، انتظامی امور اور والیوں کے تقرر اور خزانے کا حاکم ہوگا۔ خاتون کو خلیفہ کا خط ملا تو اسے یہ شرطیں پسند نہ آئیں لیکن شافعی فرقے کے مشہور فقیہہ غزالی نے خاتون کو مشورہ دیا کہ وہ یہ شرطیں قبول کر لے اس لیے کہ شرعی اعتبار سے اس کا بیٹا جو نابالغ ہے بادشاہ نہیں بن سکتا۔ خاتون نے شرطیں قبول کر لیں اور اس طرح اس کا بیٹا محمود اپنے باپ ملک شاہ کے تخت کا وارث ٹھیرا۔ خاتون نے فوراً ملک شاہ کے سب سے بڑے بیٹے برکیاروق کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیے۔ جس کے بارے میں اسے خدشہ تھا کہ وہ محمود سے اقتدار چھیننے کی کوشش کرے گا۔ برکیاروق زیادہ دن تک قید میں نہ رہا۔ نظام الملک کے حامی فوجیوں نے اسے قید سے نجات دلائی۔ ان فوجیوں نے حکمران گروہ کے خلاف بغاوت کر دی تھی کیوں کہ ان کے خیال میں تاج الملک نے ان کے آقا نظام الملک کو قتل کرا دیا تھا۔ وہ برکیاروق کی قیادت میں جمع ہوئے اور قلعۂ طبرک پر حملہ کر کے اس پر قبض

ہوگئے۔ ترکان خاتون نے برکیاروق سے مقابلہ کرنے کے لیے فوج بھیجی ایک خونریز معرکے کے بعد خاتون کی فوجوں کو شکست ہوئی۔ خاتون کی فوجیں اصفہان کی طرف فرار ہونا چاہتی تھیں کہ برقیارق نے ان کا تعاقب کیا اور شہر پر قبضہ کرلیا۔ تاج الملک خاتون کی فوج کے ساتھ تھا لیکن جنگ کا نتیجہ سامنے آتے ہی وہ بروجرد کی طرف بھاگ گیا۔ آخر کار وہ گرفتار ہوا اور برقیارق کے سامنے لایا گیا جو اس وقت اصفہان کے معرکے میں مصروف تھا۔ وہ تاج الملک کی صلاحیتوں سے واقف تھا اور اسے اپنا وزیر بنانا چاہتا تھا۔ تاج الملک نے نظام الملک کے سپاہیوں سے مصالحت کی کوشش کی اور ان میں دو لاکھ دینار نقد اور دوسری چیزیں تقسیم کیں۔ اس طرح تاج الملک سے ان کی نفرت میں کمی آگئی لیکن جب نظام الملک کے نائب عثمان نے یہ ماجرا سنا تو اس نے نوجوان نظامی سپاہیوں سے حلف اٹھوایا کہ وہ اس وقت تک مطمئن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے آقا کے قاتل کو قتل نہ کرینگے۔ اس طرح تاج الملک کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔ نظام الملک کے سپاہیوں نے اس پر حملہ کیا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ واقعہ محرم ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء کا ہے۔ اس کی ایک انگلی بغداد لائی گئی۔ تاج الملک بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا مگر یہ صلاحیتیں نظام الملک کو قتل کرانے کے نتیجے میں بے اثر ہوگئیں۔

سلطان ملک شاہ کا بھائی تتش کچھ دن دمشق اور اس کے متعلقہ علاقوں کا حاکم رہا اس نے ملک شاہ کی موت کی خبر سُن کر اپنے بھائی کی سلطنت پر قبضہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس

نے ایک زبردست فوج جمع کی اور علاقے پر علاقہ فتح کرنا شروع کردیا۔ اس طرح اس نے حلب، انطاکیہ، رہا، حران، رحبہ، نصیبین، میافارقین، دیار بکر اور آذربائیجان پر قبضہ کرلیا۔ اس نے ان علاقوں پر بڑے ظلم ڈھائے اور ان شہروں میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کردیا۔

تتش کی فوجی کامیابیوں کی خبریں جب برکیاروق بن ملک شاہ تک پہنچیں تو اس نے اپنے چچا کے حملے کو روکنے کے لئے ایک زبردست فوج تیار کی مگر جب مقابلہ ہوا تو برکیاروق کو شکست ہوئی۔ برکیاروق اس شکست سے مایوس نہیں ہوا اور اپنے چچا سے ایک فیصلہ کن لڑائی لڑنے کی تیاری کرنے لگا۔ چنانچہ جب دوبارہ جنگ ہوئی جو بہت خون ریز تھی تو تتش مارا گیا اس کی فوج بکھر گئی، اور برکیاروق کو مکمل فتح نصیب ہوئی۔

تتش کے چار بیٹے تھے۔ رضوان۔ ابوطالب، بہرام اور رقماق تتش نے مرتے وقت فوج کی سپہ سالاری رضوان کو سونپ دی تھی۔ لیکن رقماق نے رضوان کی سپہ سالاری کو قبول نہ کیا۔ دونوں بھائیوں میں شدید جنگیں ہوئیں جن کے نتیجے میں رقماق کی فوج تباہ و برباد ہوگئی اور رضوان فتحمند ہوا۔

برقیارق اپنے بھائی محمود کو سلطنت سے برطرف کرنے میں ناکام رہا لیکن وہ اس کا جانشین بننے میں کامیاب ہوگیا۔ محمود کی موت پر برقیارق سلجوقی تخت پر بیٹھا۔ اب اس کے بھائی محمد نے اس کی مخالفت شروع کی۔ ان دونوں بھائیوں میں بھی کئی جنگیں ہوئیں اور ان کا سلسلہ ۴۹۷ھ ۱۱۰۴ء تک جاری رہا۔ اس کے

بعد دونوں بھائیوں میں صلح ہو گئی اور یہ طے پایا کہ بغداد، جبال، ہمدان، اصفہان اور رے برکیارق کے پاس رہیں گے۔ سلطان کا مرتبہ بھی اس کو حاصل رہے گا اور بغداد میں خطبہ بھی اسی کے نام کا پڑھا جائے گا۔ دوسری طرف محمد آذربائیجان، دیار بکر، موصل اور الجزیرہ کا حاکم ہوگا اور یہاں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائیگا۔ سنجر خراسان کا حاکم رہا اور وہاں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ جہاں تک عباسی خلیفہ کا تعلق ہے تو وہ پہلے کی طرح بے بس رہا۔

وزیر نظام الملک کے بیٹوں نے ان خانہ جنگیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی سلجوقی گروہ سے وابستہ تھا۔ فخر الملک بن نظام الملک تتش کا وزیر بنا۔ اس کا بھائی مویدالملک برکیارق کا وزیر بنا۔ جب تتش مارا گیا اور محمد نے برکیارق کے خلاف جنگ کی تو فخر الملک، برکیارق کا وزیر بن گیا اور موید الملک محمد کا۔ جب برکیارق نے محمد کو شکست دی تو اس نے موید الملک کو گرفتار کرا کے اپنے ہاتھ سے قتل کیا

ہم نے اوپر کسی قدر تفصیل کے ساتھ سلجوقیوں کے حالات اور ان کی خانہ جنگیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سیاسی کشمکش کے درمیان جب بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا تھا حسن بن صباح نے زندگی گزاری اور یہی حالات تھے جو بڑی حد تک اس کے سیاسی افکار کے ذمہ دار تھے۔ قدرتی طور پر حسن کے گروہ کو سلجوقیوں کے ہاتھوں بہت مصائب برداشت کرنے پڑے ان کا ذکر مناسب مقام پر آئیگا۔

اس زمانے کی زندگی کو ناقابل برداشت بنانے میں صرف ان سیاسی تضادات اور جھگڑوں ہی کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ معاشی

مسائل اور نوکر شاہی کا غیر منصفانہ رویہ بھی کارفرما تھے۔ شدید قحط مسلط تھا عوام غربت کی اس منزل پر پہنچ گئے تھے جہاں وہ کتے بلیاں اور انسانی لاشیں کھا کر گزارا کر رہے تھے مہلک بیماریوں کے شکار تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے مُردوں کو دفن بھی نہ کر پاتے تھے اور لاشوں کو سڑکوں پر پھینک دیتے تھے اور گدھ اور کتے انھیں اپنی غذا بناتے تھے۔ انصاف عوام کے لیے ناپید ہو چکا تھا۔ حاکم صرف اپنی دولت سے محبت کرتے تھے۔ وہ عوام پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگاتے تھے اور ظلم و بربریت ان کا شعار تھے۔ جب بھی کوئی آدمی مرتا تھا تو اس کا خاندان اور متعلقین بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے تھے کیونکہ حکومت مرنے والے کی تمام جائیداد ضبط کر لیتی تھی۔ جب حکومت کے کارندے دیکھتے تھے کہ مرنے والے نے کچھ نہیں چھوڑا تو وہ خاندان والوں پر غبن اور اخفا کا الزام لگا کر انھیں طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے۔ حکمران گروہ یہ سب کچھ اپنے عیش و عشرت کے مصارف پورے کرنے کے لیے کرتا تھا۔ ۳۷۳ھ/۹۸۳ء میں اشیاء کی قیمتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ کتنے ہی لوگ بھوکے مر گئے[1] ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں بغداد کے عوام جامع منصور میں جمع ہوئے اور انھوں نے نماز نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا[2] چونکہ صمصام الدولہ نے روئی اور ریشم کے سامان پر ایک نئے ٹیکس کا اعلان کیا تھا جب کہ یہ چیزیں

---

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۹ ص ۳۷ مطبوعہ بیروت

(۲) کامل ابن اثیر جلد ۹ ص ۴۶

پہلے ہی دس گنی قیمت پر فروخت ہو رہی تھیں۔ امیر بختیار کے زمانے میں ایک بار عوام نے ایک وزیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ انھوں نے نماز پڑھنے سے انکار کیا۔ منبر کو توڑ پھوڑ دیا۔ کئی پل جلا دیے اور حاکموں کے ظلم کے خلاف طرح طرح کے شدید مظاہرے کئے۔ عوام کا معاشی اور سماجی تنزل اور ان کے مصائب رنگ لا رہے تھے۔

مذہبی گروہ بندیوں نے بھی عوام کو بلا واسطہ اور بالواسطہ متاثر کیا مختلف فرقہ وارانہ جھگڑے بڑھ گئے اور باہمی سبّ وشتم عام ہو گیا۔ علما جن سے امن پسندی اور نیک نیتی کی توقع تھی اپنے عمل میں بالکل برعکس نکلے۔ یہاں ابن اثیر کی "کامل" سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"خطیب ابوالقاسم البکری المغربی بغداد آیا۔ وہ نظام الملک کے پاس گیا اور اس کے مقربین میں شامل ہو گیا نظام الملک نے اسے بغداد بھیج دیا اور اس کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ مغربی مدرسہ نظامیہ میں درس دیتا تھا اور حنبلیوں کی برائیاں کیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ سلیمانؑ نے کبھی شرک نہیں کیا بلکہ یہ شیاطین تھے جو شرک کے مرتکب ہوتے تھے اس طرح احمد بن حنبل بھی مشرک نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھی مشرک تھے۔ ایک دن وہ نہر قلائین کے کنارے قاضی القضاۃ ابو عبداللہ دامغانی کے گھر گیا۔ یہاں حنبلیوں اور اس کے رفیقوں کے درمیان بحث ہوئی اور بالآخر فساد برپا ہو گیا۔ ابوالقاسم کے حامیوں نے ایک حنبلی خاندان بنو الفرا کا گھر لوٹ لیا اور ان کی کتابیں تباہ کر دیں انھیں کتابوں میں ابو یعلیٰ کی کتاب

الصفات بھی تھی جسے ابوالقاسم مغربی اپنے درس میں پڑھ کر حنبلیوں میں کیڑے نکالتا تھا۔ مغربی اور حنبلیوں کے درمیان بہت سی غلط فہمیاں اور نظریاتی اختلافات پائے جاتے تھے مغربی کو دربار سے عالم السنۃ کا خطاب ملا۔ اس نے بغداد میں وفات پائی اور ابوالحسن اشعری کے مقبرے کے نزدیک دفن کیا گیا۔

ابن اثیر ایک اور واقعہ لکھتا ہے کہ "۴۴۳ھ ۱۰۵۱ء کے ماہ صفر میں بغداد کے گلی کوچے ایک شدید ترین شیعہ سنّی فساد کے تماشائی بنے۔ ہوا یہ کہ کرخ کے لوگوں نے باب السماکین تعمیر کیا اور برج بنوائے جن پر سونے کے حروف سے یہ لکھوایا کہ "محمدؐ و علیؑ خیر البشر ہیں" سنیوں کو یہ بات پسند نہ آئی اور انھوں نے کہا کہ جو الفاظ دیواروں پر لکھے گئے تھے وہ یہ تھے کہ "محمدؐ و علیؑ خیر البشر ہیں جس نے اس بات کو مانا اس نے شکر ادا کیا اور جس نے نہ مانا اس نے ناشکری کی۔" کرخ کے لوگوں نے کہا کہ ہم نے پہلے جملے کے سوا اور کچھ نہیں لکھا جو ہم عام طور پر اپنی مسجدوں میں لکھتے ہیں۔ عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ نے ابو تمام کو عباسیوں کا اور عدنان بن رضی کو علویوں کا نمائندہ بنا کر بھیجا تاکہ وہ معاملے کی چھان بین کریں اور فساد رکوائیں۔ شیعہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ خیر البشر کی جگہ علیہما السلام لکھا جائے۔ سنیوں نے اس کو بھی ناپسند کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ اینٹیں ہی دیوار سے نکال دی جائیں جن پر محمدؐ و علیؑ لکھا ہوا تھا۔ قاضی ابن مذہب اور قاضی زہری اور ان کے سوا عبدالصمد اور دوسرے حنبلیوں نے لوگوں کو پوری قوت کے ساتھ فساد کرنے پر اکسایا

انھوں نے لاقانونیت اور فتنہ انگیزی کو اور ہوا دی اور اس فتنے کے نتیجے میں ہزاروں آدمی قتل ہو گئے۔ بازاروں، مسجدوں، مقبروں اور کتب خانوں میں آگ لگا دی گئی (۱)

یہ تھے وہ حالات جن میں حسن نے پرورش پائی اور پروان چڑھا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انھیں حالات کے نتیجے میں حسن اور اس کی طرح دوسرے مفکرین اُبھرے جنھوں نے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی اور یہ چاہا کہ اسلامی معاشرہ شرپسندوں کی کمینگی اور حرص و طمع سے پاک ہو جائے۔

اس زمانے کی سماجی سیاسی اور مذہبی تحریکات کے اصل اسباب اس زمانے کے فسادات معاشرے کی بدحالی اور فقہی اختلافات تھے۔ ان حالات ہی کی بنا پر خفیہ گروہ اور تنظیمیں وجود میں آئیں اور محرومی اور بدنظمی سے تنگ آئے ہوئے عوام کی امیدگاہ بن گئیں۔ ان تحریکوں نے مختلف ذرائع اختیار کیے۔ بعض تحریکوں نے قلم کو اپنا وسیلہ بنایا مثلاً اخوان الصفا۔ بعض تحریکوں نے تلوار کا سہارا لیا اور بعض تحریکوں نے قلم اور تلوار دونوں کو استعمال کیا مثلاً فاطمیین کی تحریک۔ ان تحریکوں سے پہلے آں حضرتؐ نے ان دونوں ذریعوں کو اسلام کی اشاعت کے لیے استعمال کیا تھا۔ شجاعت، عمل پسندی اور ایثار انقلابیوں کی صفات ہیں۔ کسی انقلابی کو ان صفات کے ابھارنے کے لیے حشیش (بھنگ) کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے مسائل خود ہی اسے ستونوں کی سی

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۹ ص۵۷۵ تا ص۵۷۷ مطبوعہ بیروت

مضبوطی بخشتے ہیں۔ مذہبی اور سیاسی تحریکوں کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے خاص طور سے فاطمیوں کی تاریخ جنھوں نے عباسیوں کے ہاتھوں ظلم اور ہلاکت کی تلخی چکھی تھی۔ ان بہادر اسماعیلی داعیوں کی ایک مثال ابوالفوارس تھا جسے عباسی خلیفہ معتضد کے سامنے لایا گیا۔ دونوں میں بحث شروع ہو گئی۔ معتضد نے پوچھا "کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسولوں کی روحیں تمہارے جسموں میں حلول کر گئی ہیں جس کی وجہ سے تم لوگ لغزشوں اور معاصی سے محفوظ رہتے ہو اور تم میں اعمالِ صالح کی توفیق پیدا ہوتی ہے"؟ اس نے جواب دیا "اگر ہم میں روح اللہ حلول کیے ہوئے ہے تو تمہارا کیا نقصان اور اگر ابلیس کی روح حلول کیے ہوئے ہے تو تمہیں کیا فائدہ؟ ان لغو مذاکرات کو چھوڑو اور جو بات ہو اس کا تذکرہ کرو" خلیفہ معتضد نے کہا کہ "تم ہی ان باتوں کو چھیڑو جو مفید ہوں" وہ بولا کہ "رسول اللہؐ نے وفات پائی تو اس وقت تمہارے دادا عباس ابن عبدالمطلب زندہ تھے مگر وہ حکومت اور خلافت کے طالب نہ ہوئے اور نہ کسی نے ان کی بیعت کی۔ بعد ازاں ابو بکر نے وفات پائی اور عمر کو اپنا جانشین بنا گئے اس وقت بھی عباس زندہ تھے مگر نہ تو عمر نے عباس کو اپنا ولی عہد بنایا اور نہ اصحاب شوریٰ میں شامل کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تمہارا مورث اس کا مستحق نہ تھا۔ پھر تم کس استحقاق سے خلیفہ بنے ہو"؟ خلیفہ معتضد سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ جھلّا اٹھا اور حکم دیا کہ اس کی کھال کھینچ کر جوڑ جوڑ علیحدہ کر دو۔ خدام نے تعمیل کی تھوڑی دیر میں وہ مر گیا (۱)

(۱) ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۴، ص۳۲۲ ۔

جو لوگ حسن بن صباح کے فدائیوں کی جرأت کو بھنگ کے نشے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں وہ اسماعیلی داعیوں کی اس جرأت کی کیا توجیہہ کریں گے ؟ بے باکی کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے ۔ عباسی خلیفہ مقتدر کے وزیر علی بن عیسیٰ کے پاس ایک شخص آیا اور اسے اطلاع دی کہ اس کا ایک پڑوسی شیراز کا قرمطی ہے اور وہ قرامطہ کے سردار ابوطاہر جنابی سے خط و کتابت کرتا ہے ۔ اس شخص کے پڑوسی کو وزیر کے سامنے لایا گیا اور اس سے استفسار کیا گیا ۔ اس نے ابوطاہر سے اپنے تعلق کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں نے ابوطاہر کی حمایت اس یقین کے ساتھ کی ہے کہ وہ صحیح راستے پر ہے جب کہ تم اور تمہارے آقا بے دین ہیں ۔ وزیر نے اس سے کہا کہ تمہاری طرح کے لوگ ہماری فوجوں میں بھی شامل ہو گئے ہیں ۔ کیا تم ان کی نشان دہی کر سکتے ہو ؟ اس شخص نے جواب دیا کہ کیا تمہاری وزارت اس قدر قلیل فہم و فراست پر قائم ہے ۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ایک راستباز گروہ کا پتہ بے دینوں کو بتا دوں گا جو انھیں ضرور ہلاک کر دیں گے ۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا ۔ وزیر نے حکم دیا کہ اس کے کوڑے لگاتے جائیں ۔ اسے کھانا اور پانی نہیں دیا گیا ۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا ۔ (۱) کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس شخص کی جرأت میں حشیش (بھنگ) کا نشہ کارفرما تھا ۔

جنت کا افسانہ | حسن اور اس کی جماعت سے متعلق افسانہ طرازوں نے بہت سے افسانے تراشے ہیں جو دراصل حسن اور اس

---

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۷۴ ۔

کی جماعت کی عظمت کی دلیل ہیں ۔ داستانیں اور افسانے عظیم شخصیتوں اور عظیم جماعتوں ہی سے متعلق ہوا کرتے ہیں ۔ حسن کے بارے میں جو افسانہ بہت مشہور ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ایک جنت بنائی تھی ۔ اس کے آدمی نوجوانوں کو بے ہوش کر کے وہاں لے جاتے وہاں حور جمال لڑکیاں جمع کی گئی تھیں ۔ نوجوان انھیں حوریں سمجھتے ۔ ان نوجوانوں کو کچھ دن وہاں رکھا جاتا اور پھر انھیں دوبارہ بیہوش کر کے اس باغِ جنت سے واپس لے جایا جاتا اور پھر خطرناک ذمہ داریاں ان کے سپرد کی جاتیں مثلاً مخالفوں کا قتل ۔ ان سے کہا جاتا کہ وہ اس عمل کے اجر میں دوبارہ اس جنت میں جائیں گے جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں ۔ یہ تھی حسن صباح کی جنت اور حشیش کے استعمال کی وہ داستان جو مارکو پولو کے سفرنامے کے ذریعے عام ہوئی ۔ اس سلسلے میں ایرانی مصنف کریم کشاورز نے اپنی تالیف "حسن صباح" میں لکھا ہے کہ " مارکو پولو نے یہ داستان دوسروں سے سن رکھی تھی ۔ کوئی شبہ نہیں کہ ہلاکو خان ، اس کے سرکردہ لوگ ، لشکری ، خدمتگار اور عامل مثلاً عطا ملک جوینی اور خواجہ نصیر الدین طوسی بھی اس قصے سے باخبر تھے لیکن انھوں نے قلعہ الموت ، لمسر ، میمون دز اور درہ رودبار کے دوسرے قلعوں کی تسخیر کے بعد اس باغ جنت کو تلاش کرنے کی کوئی معمولی سی کوشش بھی نہیں کی ۔ عطا ملک جوینی جس نے باطنیوں سے اپنی عداوت کے باب میں ہمیشہ غلو سے کام لیا ہے ۔ اور ان کے بارے میں ضرر رساں باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنی تاریخ جہاں کشا میں جمع کی ہیں وہ اس باغ جنت اور حشیش کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کرتا ۔ سلجوقی عہد کے نامور مورخین جیسے

ظہیرالدین نیشاپوری صاحب سلجوقنامہ، راوندی مولف راحۃالصدور اور دوسرے اہلِ قلم جنھوں نے فدائیوں کو ملاعنہ کہہ کر یاد کیا ہے، انھوں نے بھی اس باغ جنت وغیرہ کے سلسلے میں ایک حرف تک نہیں لکھا اور فدائیوں پر ایسی کوئی تہمت نہیں لگائی۔ ابن جوزی جو باطنیوں کا شدید ترین دشمن تھا اس کی تحریروں میں بھی حشیش سے متعلق ایک حرف تک نہیں ملتا۔"

کریم کشاورز نے مزید لکھا ہے کہ" یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان افسانوں کا سرچشمہ مغرب ہے اور یہ افسانے غالباً ان صلیبیوں کے ذہن کی پیداوار ہیں جنھوں نے باطنیوں کی ضرب کا مزہ چکھا تھا یا ان کے بارے میں بہت سی داستانیں سُنی تھیں چنانچہ جب وہ اپنے وطن واپس گئے تو جہاندیدہ لوگوں کی روش کے مطابق جن کے کلام کی مبالغہ آمیز آلودگی اور دروغ آمیزی (جہاندیدہ بسیار گوید دروغ) مشہور و معروف ہے ان لوگوں نے یہ باتیں یورپی ملکوں میں پھیلا دیں"

"اس کے علاوہ یہ کہ حشیش مسکّنِ اعصاب ہے۔ وہ ایسی چیز نہیں ہے جو کسی کو فداکاری اور جاں بازی پر مائل کر سکے بلکہ اس کے برعکس وہ آدمی کو کمزور کرتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کی قوت ارادی کو سلب کر لیتی ہے۔" (۱)

بات یہ ہے کہ جب لوگ کسی مسئلے کا عقلی حل تلاش کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو وہ مافوق الفطرت توجیہات میں پناہ لینے

---

(۱) حسن صباح کریم کشاورز ص۱۷۰ ص۱۷۱ ۔

کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ کسی شے کو پسند یا ناپسند کرتے ہیں تو شدت پسندی ان کو توہماتی کہانیاں گھڑنے پر مجبور کرتی ہے۔ حسن کی جنت، اس کی حوریں اور حشیش یہ ساری خرافات اسی قسم کی بنیادوں پر قائم ہیں۔

حسن صحیح معنی میں ایک عظیم انسان تھا۔ اس نے وہ کچھ کر دکھایا جو اس کے زمانے کے مقتدر ترین اشخاص بھی نہ کر سکے۔ سلجوقی شہنشاہی کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں جو عباسی خلافت کے فلک بوس کہساروں کو بھی بہا کر لے گیا، حسن نے اپنے اور اپنی جماعت کے لیے ایک ناقابل تسخیر جزیرہ بنایا تھا جو مخالفت کی طاقتور لہروں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی مضبوط ریاست طاقتور سلجوقی سلطنت کے بیچوں بیچ قائم کی تھی۔ اس نے اپنے لوگوں کے لیے جنت ضرور بنائی تھی مگر یہ جنت مافوق الفطرت عناصر پر نہیں بلکہ خوش حالی پر قائم تھی جس میں امن اور سلامتی کا دور دورہ اور محبت و اخوت کا راج تھا۔ یہ سب کچھ سلجوقی سلطنت کے اس ماحول میں ہو رہا تھا جہاں معاشی بدحالی اور ظلم عروج پر تھے۔

حسن نے اپنے لوگوں کو مکمل اور مثالی تربیت دی تھی اور ان کے درمیان مضبوط ذاتی اور اجتماعی رشتے قائم تھے جن کے باعث جماعت کا ہر فرد اپنی اہمیت اور قیمت سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حسن کی جماعت ایک روحانی احیاء کا سبب بنی۔ حسن کے رفیقوں نے اس احیاء کے لیے جلیل القدر قربانیاں پیش کیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ توہماتی کہانیوں اور من گھڑت افسانوں کے کردار بن گئے۔

Scanned by CamScanner

مختصر یہ کہ حسن اور اس کی جماعت اُس معاشی بد حالی اور ظلم کے ردِ عمل میں اُبھری جو مسلمانوں پر عام طور سے اور اسماعیلیوں پر خاص طور سے مسلط تھا۔ سلجوقی اپنی سیاست اور مذہب میں حد درجہ شدت پسند تھے۔ وہ شیعوں یا معتزلیوں کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ سلجوقیوں نے انھیں شدید مظالم کا نشانہ بنایا۔ خاص طور پر اسماعیلی جہاں بھی جاتے موت ان کے ساتھ سائے کی طرح ہوتی۔ ان حالات نے حسن اور اس کی جماعت کو دشمن کے قاتلانہ حملوں سے بچنے کے لیے منظم اقدام کرنے پر مجبور کیا چنانچہ اس نے اپنے حامیوں کے ساتھ چند قلعوں میں پناہ لی جہاں وہ ظلم کی نگاہ سے دور سلامتی اور امن کی زندگی گزار سکتے تھے۔ مگر دشمنوں نے ان کا یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور ان کے قلعوں پر منظم حملے کیے اور ان قلعوں کا طویل محاصرہ جاری رکھا تاکہ حسن اور اس کے ساتھی بھوک اور پیاس سے مر جائیں۔

حسن جنگ سے نفرت کرتا تھا اور ایسے ہنگاموں سے بچتا تھا جو اس کی پر امن زندگی کو درہم برہم کر دیں، وہ خوں ریزی پر معترض تھا اور بے گناہ لوگوں کو جنگ کے شعلوں کی نذر کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اس لیے حسن نے یہ کوشش کی کہ بدنظمی کے اصل اسباب ختم ہو جائیں کیونکہ بدنظمی کے یہ اسباب دراصل خود غرض امیروں کی خود غرض شخصیتوں میں متمکن تھے لہٰذا اس نے ان امیروں کو قتل کیا تاکہ چند لوگوں کی موت ہزاروں لوگوں کی زندگی کا سبب بن جائے۔ حسن ان لوگوں کی موت کو اس زاویے سے دیکھتا تھا۔ حسن کے آدمیوں نے کسی کو دشمنی یا کینے کے سبب

ہلاک نہیں کیا بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں لوگ زندہ رہ سکیں جو ان امیروں کے اشاروں پر قتل کر دیے جاتے۔ حسن کے آدمی صرف انھیں لوگوں کو قتل کرتے تھے جو ظلم اور شر انگیزی کا سرچشمہ تھے۔

حسن نے ملک شاہ کے نام اپنے جوابی خط میں اس زمانے کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ہم ملک شاہ کا خط اور اس کا جواب قاضی نور اللہ شوشتری کی تالیف مجالس المومنین سے نقل کرتے ہیں۔

ملک شاہ کا خط حسن کے نام

اے حسن بن صباح! تم نے ایک نیا دین اور نئی ملت ایجاد کی ہے۔ تم لوگوں کو فریب میں مبتلا کرکے ان سے حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کراتے ہو۔ تم نے جبال کے بعض جُہّال کو اپنے گرد جمع کیا ہے۔ تم ان سے چکنی چپڑی باتیں کرکے انھیں ورغلاتے ہو اور وہ تمہارے ورغلانے میں آکر بے حیا بانہ لوگوں کے چاقو گھونپ دیتے ہیں۔ خلفائے عباسی جو خلفائے اسلام ہیں اور ملک و ملّت کا قوام اور دین و دولت کا نظام جن کی وجہ سے مستحکم ہے تم انھیں برا بھلا کہتے ہو۔ تمھیں اس گمراہی سے بچنا چاہیے اور مسلمان بننا چاہیے نہیں تو پھر یہ ہے کہ ہم نے افواج کو متعین کر دیا ہے اب معاملہ تمہاری حاضری یا خط کے جواب پر موقوف ہے۔ خبردار، خبردار، خبردار، اپنے حال پر اور اپنے معتقدوں کے حال پر رحم کرو اور اپنے آپ کو اور انھیں گردابِ بلا میں نہ ڈالو۔ اپنے قلعوں کی مستحکمی پر غرور نہ کرو۔ حقیقت کو سمجھو اگر تمہارے قلعہ الموت کو آسمان کے برجوں میں سے

مختصر یہ کہ حسن اور اس کی جماعت اُس معاشی بدحالی اور ظلم کے ردعمل میں اُبھری جو مسلمانوں پر عام طور سے اور اسماعیلیوں پر خاص طور سے مسلط تھا۔ سلجوقی اپنی سیاست اور مذہب میں حد درجہ شدت پسند تھے۔ وہ شیعوں یا معتزلیوں کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ سلجوقیوں نے انھیں شدید مظالم کا نشانہ بنایا۔ خاص طور پر اسماعیلی جہاں بھی جاتے موت ان کے ساتھ سائے کی طرح ہوتی۔ ان حالات نے حسن اور اس کی جماعت کو دشمن کے قاتلانہ حملوں سے بچنے کے لیے منظم اقدام کرنے پر مجبور کیا چنانچہ اس نے اپنے حامیوں کے ساتھ چند قلعوں میں پناہ لی جہاں وہ ظلم کی نگاہ سے دور سلامتی اور امن کی زندگی گزار سکتے تھے۔ مگر دشمنوں نے ان کا یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور ان کے قلعوں پر منظم حملے کیے اور ان قلعوں کا طویل محاصرہ جاری رکھا تاکہ حسن اور اس کے ساتھی بھوک اور پیاس سے مر جائیں۔

حسن جنگ سے نفرت کرتا تھا اور ایسے ہنگاموں سے بچتا تھا جو اس کی پرامن زندگی کو درہم برہم کر دیں۔ وہ خوں ریزی پر معترض تھا اور بے گناہ لوگوں کو جنگ کے شعلوں کی نذر کرنے سے گریز کرتا تھا۔ اس لیے حسن نے یہ کوشش کی کہ بدنظمی کے اصل اسباب ختم ہو جائیں کیونکہ بدنظمی کے یہ اسباب دراصل خودغرض امیروں کی خودغرض شخصیتوں میں متمکن تھے لہذا اس نے ان امیروں کو قتل کیا تاکہ چند لوگوں کی موت ہزاروں لوگوں کی زندگی کا سبب بن جائے۔ حسن ان لوگوں کی موت کو اس زاویے سے دیکھتا تھا۔ حسن کے آدمیوں نے کسی کو دشمنی یا کینے کے سبب

ہلاک نہیں کیا بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں لوگ زندہ رہ سکیں جو ان امیروں کے اشاروں پر قتل کر دیے جاتے۔ حسن کے آدمی صرف انھیں لوگوں کو قتل کرتے تھے جو ظلم اور شرانگیزی کا سرچشمہ تھے۔

حسن نے ملک شاہ کے نام اپنے جوابی خط میں اس زمانے کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ہم ملک شاہ کا خط اور اس کا جواب قاضی نوراللہ شوشتری کی تالیف مجالس المومنین سے نقل کرتے ہیں۔

ملک شاہ کا خط حسن کے نام | اے حسن بن صباح! تم نے ایک نیا دین اور نئی ملت ایجاد کی ہے۔ تم لوگوں کو فریب میں مبتلا کر کے ان سے حاکم وقت کے خلاف بغاوت کراتے ہو۔ تم نے جبال کے بعض جُہّال کو اپنے گرد جمع کیا ہے۔ تم ان سے چکنی چپڑی باتیں کر کے انھیں ورغلاتے ہو اور وہ تمہارے ورغلانے میں آکر بے حجابانہ لوگوں کے چاقو گھونپ دیتے ہیں۔ خلفائے عباسی جو خلفائے اسلام ہیں اور ملک و ملّت کا قوام اور دین و دولت کا نظام جن کی وجہ سے مستحکم ہے تم انھیں برا بھلا کہتے ہو۔ تمھیں اس گمراہی سے بچنا چاہیے اور مسلمان بننا چاہیے نہیں تو پھر یہ ہے کہ ہم نے افواج کو متعین کر دیا ہے اب معاملہ تمہاری حاضری یا خط کے جواب پر موقوف ہے۔ خبردار، خبردار، خبردار، اپنے حال پر اور اپنے معتقدوں کے حال پر رحم کرو اور اپنے آپ کو اور انھیں گردابِ بلا میں نہ ڈالو۔ اپنے قلعوں کی مستحکمی پر غرور نہ کرو۔ حقیقت کو سمجھو اگر تمہارے قلعہ الموت کو آسمان کے برجوں میں سے

ایک بریج بھی مان لیا جائے تب بھی ہم ایزد سبحانہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کو خاک کے برابر کر دیں گے۔ (۱)

حسن کا جواب جب صدر کبیر ضیاء الدین خاقان، سلطان کا والا نامہ لے کر یہاں پہنچا تو میں نے اسے خوش آمدید کہا اور سلطان کے والا نامہ کو سر آنکھوں پر رکھا۔ سلطان کی یاد فرمائی سے میرا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ اب میں اپنے احوال اور عقائد کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ بندگانِ درگاہِ سلطانی میرا حال سنیں گے اور اس پر توجہ دیں گے۔ سلطان سے میری عرض ہے کہ میرے معاملے میں بعض ارکان دولت سے جنھیں مجھ سے بیر ہے اور خاص طور پر نظام الملک سے مشورہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد میرے بارے میں سلطان کی جو بھی رائے قرار پائے اور جو امر بھی تحقیق کو پہنچے اس سے گریز ممکن نہ ہو گی اور اگر میں اس سے روگردانی کروں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے مسلمانوں کے دین سے روگردانی کی اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ترک کی لیکن اگر سلطان نے میرے دشمنوں کی باتوں کے زیرِ اثر مجھ سے اور میرے معاملے سے بے توجہی فرمائی تو مجھے پورا حق ہو گا کہ میں خود اپنے معاملے کی فکر کروں۔ میرا ایک طاقتور دشمن سے سامنا ہے جو حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کر سکتا ہے، اور تاریخ میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے۔ بندے کے حق میں بھی یہ صورتِ حال ظہور میں آئی ہے اور یہ امر سلطان سے پوشیدہ نہ ہو گا۔

---

(۱) مجالس المومنین جلد دوم۔ کتاب فروشی اسلامیہ تہران
صنا ۳۱ ۔ صا ۳۱۱

اب میں اپنی زندگی کے اوائل کا حال بیان کرتا ہوں۔ میرے والد ایک سچے مسلمان اور امام شافعی کے مسلک کے پیرو تھے (۱) جب میں چار سال کا ہوا تو والد نے مجھے مکتب میں داخل کر دیا اور میں تحصیل علم میں مشغول ہو گیا۔ میں چار سال کی عمر سے چودہ سال کی عمر تک تحصیل علم میں مشغول رہا یہاں تک کہ میں نے کئی علوم میں دستگاہ بہم پہنچا لی خاص طور پر علم قرآن و حدیث میں۔ اس وقت سے میرے دل میں مذہب سے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں نے امام شافعی کی کتابوں میں آل رسولؐ کی فضیلت اور امامت کے باب میں بہت سی حدیثیں پڑھیں اور میرا دل اس طرف مائل ہو گیا اور میں امام وقت کی تلاش میں مصروف رہنے لگا مگر حاکمان وقت کے دباؤ نے مجھے ایسے معاملات کی طرف متوجہ کر دیا جو دنیوی اعتبار سے بہت اہم سمجھے جاتے ہیں اس طرح میں مذہب کو بھول گیا اور کار دنیا اور خدمت مخلوق میں منہمک ہو گیا اور خالق کے بارے میں اپنے فرض کو پسِ پشت ڈال دیا۔ میرا یہ طرز عمل خدا کو پسند نہ آیا اور اس نے میرے دشمن پیدا کر دیے جنھوں نے مجھے غیر ارادی طور پر دنیوی امور کی طرف سے ہٹا دیا تب میں شہروں اور بیابانوں کی خاک چھانتا پھرا اس دوران مجھے بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ میرا اور نظام الملک کا قضیہ سلطان سے پوشیدہ نہ ہو گا۔ جب خدا نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی تب مجھے اندازہ ہوا کہ مخلوق کے کاموں پر دل دینا اور

---

(۱) "سرگذشتِ سیدنا" میں حسن ہی کی زبانی ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اثنا عشری گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ جون ایلیا۔

خالق کے کاموں کو پس پشت ڈالنے کا یہی انجام ہوتا ہے چنانچہ میں مردانہ وار کارِ دین اور طلب آخرت میں لگ گیا۔ میں رے سے بغداد گیا اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہا۔ اس طرح مجھے وہاں کے حالات کا علم ہوا۔ میں نے عباسی خلفاء کے احوال کی تحقیق کی۔ میں نے دین اسلام کے پیشوا عباسی خلفا کو مروّت اور جوانمردی سے بہت دور پایا۔ مجھے پورا یقین ہوگیا کہ اگر دین و مذہب کی بنیاد انھیں کی امامت و خلافت پر قائم ہے تو پھر اس دین و مذہب سے تو کفر و الحاد بہتر ہیں۔

میں بغداد سے مصر گیا جہاں خلیفۂ برحق امام مستنصرؒ تھے۔ میں نے ان کے حال کی تحقیق کی۔ میں نے ان کی خلافت کو عباسیوں کی خلافت سے اور ان کی امامت کو عباسیوں کی امامت سے برحق پایا چنانچہ میں نے ان کی خلافت و امامت کو تسلیم کرلیا اور میں عباسیوں کی خلافت سے یکسر بیزار ہوگیا ادھر عباسی خلیفہ کو میرے احوال کی خبر ہوئی تو اس نے میری گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے تاکہ وہ مجھے راستے ہی میں پکڑ لیں خدا نے مجھے اس مصیبت سے بچالیا اور میں خیریت کے ساتھ مصر پہنچ گیا۔ اس کے بعد خلیفۂ عباسی (۱) نے (مصر کے) امیرالجیوش (بدرالجمالی) کو جو سپہ سالار تھا سیم و زر سے لدے ہوئے تین خچر بھیجے تاکہ وہ مجھے گرفتار کرکے بھیجدے یا قتل کراکے میرا سر بغداد روانہ کردے لیکن خلیفۂ برحق اور امام مستنصر باللہؑ کی عنایت میرے شامل حال تھی اس لیے میں اس سازش کا شکار ہونے سے

(۱) متن میں ہر جگہ "خلفائے عباسی" لکھا گیا ہے جب کہ "خلیفۂ عباسی" ہونا چاہیے۔ جون ایلیا۔

بچ گیا۔ عباسی خلیفہ نے بدرالجمالی کو میرے خلاف اکسایا تھا اور اسے میرا دشمن بنادیا تھا۔ اس لیے بدرالجمالی نے کچھ ایسی کوشش کی کہ مجھے کفارِ فرنگ میں تبلیغ کرنے کے لیے بھیج دیا جائے۔ جب امام وقت کو اس بات کی خبر ہوئی تو انھوں نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا اور مجھے ایک فرمان مرحمت فرمایا جس میں ارشاد کیا گیا تھا کہ میں مسلمانوں کو راہِ راست پر لانے کا کام انجام دوں اور انھیں خلفائے مصر کی امامت اور حقیقت سے آگاہ کروں۔

اگر سلطان کو آیت قرآنی "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" کو سمجھنے کی سعادت نصیب ہے تو وہ میری بات سے گریز نہیں کریں گے اور سلطان محمود غازی سبکتگین کی طرح ان کا قلع قمع کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائیں گے ورنہ ایک وقت وہ آئے گا جب کوئی اور شخص یہی کام کرے گا اور ثواب پائے گا۔

دوسرے یہ کہ آپ نے مجھ سے جو یہ فرمایا ہے کہ میں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے تو نعوذ باللہ جو میں نیا دین اور نئی ملت ایجاد کروں۔ میں جس مذہب کا پیرو ہوں وہ وہی مذہب ہے جو رسولؐ اللہ کے زمانے میں ان کے صحابہ نے قبول کیا تھا۔ یہی مذہب سچا ہے اور قیامت تک سچا رہے گا۔ میرا مذہب وہی ہے جو مسلمانوں کا مذہب ہے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

مجھے دنیا اور دنیا کے معاملوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے یہ سب کچھ جو میں کرتا ہوں اور کہتا ہوں پورے خلوص کے ساتھ دین حق کے لیے ہے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ آل رسول اپنے جد کی جانشینی کے

عباسیوں سے زیادہ لائق اور حقدار ہیں۔ سلطان ملک شاہ! کیا آپ اس بات کو روا سمجھتے ہیں کہ جو مملکت آپ نے اتنی زحمت اور مشقّت اٹھا کر اور مشرق سے مغرب تک اور شمالی علاقوں سے ہندوستان تک لشکر کشی کر کے فتح کی ہے وہ آج ہارون رشید کی اولاد کے پاس ہو جب کہ آپ کے اپنے بیٹے مارے مارے پھر رہے ہوں۔ عباسی آپ کے بیٹوں کو جہاں بھی پاتے ہیں مار ڈالتے ہیں۔ ان کی خلافت پھر بھی روا سمجھی جائے۔ میں نے ان کی جو بداعمالیاں دیکھی ہیں ان میں سے شمّہ برابر بیان کروں گا۔ وہ ایسی بداعمالیاں ہیں جو کسی بھی دین و ملّت میں روا نہیں رکھی گئیں اور نہ روا رکھی جاتی ہیں۔ یہ بات تو قابل فہم ہے کہ جو لوگ عباسیوں کے حال سے واقف نہ ہوں اور ان پر اعتقاد اور اعتماد رکھتے ہوں وہ ان کی خلافت کو برحق جانیں۔ مگر میں جو ان کے معاملے اور ان کے حال سے واقف ہوں تو میں بھلا ان کی خلافت کو کیسے روا سمجھ سکتا ہوں اور انھیں کس طرح برحق مان سکتا ہوں۔

اگر سلطان عباسیوں کی بداعمالی سے واقف ہوتے ہوئے بھی ایسا قدم نہیں اٹھاتے جس سے مسلمان ان کے شر سے محفوظ ہو جائیں تو میں سوچتا ہوں کہ وہ روزِ حشر کیا جواب دیں گے اور انھیں نجات کا راستہ کس طرح ملے گا۔ یہ ہیں وہ عقائد جن پر میں شروع سے قائم ہوں اور جب تک زندہ ہوں ان پر قائم رہوں گا۔ نہ میں نے اس سے انکار کیا ہے اور نہ کروں گا۔

خلفائے اربعہ اور عشرۂ مبشرہ کی محبت میرے دل میں رہی ہے اور رہے گی۔ میں نے ایسا کوئی دین ایجاد نہیں کیا جس

پر میرا پہلے ہی ایمان نہ رہا ہو اور نہ میں نے کوئی ایسا مذہب اختراع کیا ہے جو مجھ سے پہلے وجود نہ رکھتا تھا۔ میں جس مذہب پر کاربند ہوں وہ وہی ہے جو رسول اللہ کے زمانے میں خلفاء کا مذہب تھا یہی سچا مذہب ہے اور قیامت تک سچا رہے گا۔

اب میں اس موضوع پر آتا ہوں کہ میں اور میرے متبعین عباسیوں پر طعن کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جو بھی سچا مسلمان ہے اور دین و دیانت سے آگاہ ہے وہ اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہے کہ ان لوگوں پر طعن اور تشنیع کرے جن کی زندگی اول سے آخر تک مکر و فریب اور فسق و فجور سے بھری ہوئی ہے اور ہمیشہ بھری رہے گی۔ اگرچہ ان کے واقعات و حالات عالم آشکارا ہیں مگر میں انھیں اختصار سے بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ سلطان پر میری طرف سے حجت رہے۔ پہلے میں ابومسلم خراسانی کے واقعے کا ذکر کرتا ہوں۔ اس نے انتہائی جدوجہد کے بعد مسلمانوں کا خون بہانے اور مال غصب کرنے سے ظالم مروانیوں کا ہاتھ کوتاہ کیا اور جو لعنت کہ خود ان مروانیوں کے حال کے لائق تھی اور یہ لوگ رسول اللہ کی عترت پاک پر کر رہے تھے اسے ختم کیا اور دنیا کو عدل و انصاف سے آراستہ کیا۔ انھوں نے خاندان رسول کے کتنے ہی ہزار افراد کو دنیا کے اطراف و اکناف میں شہید کیا۔ اولاد رسول کی ایک جماعت جو گوشوں اور ویرانوں میں باقی رہ گئی تھی وہ سیادت کا لباس ترک کرنے پر مجبور ہوئی اور اس طرح اپنی جان بچائی۔ یہ لوگ ہر گز شراب نوشی، زنا اور اغلام کے مرتکب نہیں ہوئے اور نہ ہی ... مگر اس دنیا میں عباسیوں کی بدکاری اس حد تک پہنچی ہارون رشید کی جو عباسیوں میں سب سے زیادہ عالم و فاضل

تھا دو بہنیں تھیں۔ وہ ان میں سے ایک کو محفلِ شراب میں اپنے پاس بلواتا جہاں اس کے ندیم بھی موجود ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ جعفر برمکی نے جو ہارون کا ندیم تھا اس کی بہن کے ساتھ بدکاری کی اور اس سے جعفر کا بچہ پیدا ہوا۔ اس بچے کو ہارون سے پوشیدہ رکھا گیا جس سال ہارون حج کے لیے گیا تو وہاں اس نے بچے کو دیکھ لیا، اور اس نے جعفر کو وہیں قتل کرا دیا۔ (۱)

ان عباسیوں نے ابو حنیفہ ایسے بزرگ کے سو درّے لگائے اور منصور حلاج کو سولی پر چڑھا دیا۔ اگر میں یا کوئی اور ان پر طعن کرتا ہے تو انصاف سے کہنا چاہیے کہ ہم حق پر ہیں یا باطل پر۔ اب رہی یہ بات کہ میں جاہلوں کو بہکاتا ہوں اور وہ میرے بہکاوے میں آکر لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ تمام اہل بصیرت پر یہ بات روشن ہے کہ دنیا میں کوئی چیز جان سے زیادہ قیمتی نہیں ہوتی اور کوئی شخص کسی کے کہنے سے اپنی جان داؤ پر نہیں لگاتا خاص طور پر مجھ ایسے غریب آدمی کے کہنے پر۔ خراسان اور اس کے نواح میں سلطان کے غلاموں اور نظام الملک کے اہلکاروں نے اس روش سے انحراف اختیار کیا ہے جو اب سے پہلے مسلمانوں کے درمیان معمول اور معروف تھی۔ بعض نے مسلمان خواتین اور زاہدوں کے حرم کی بے حرمتی کی ہے۔ جب لوگ ارکان دولت کے پاس ظلم کی نجات [illegible] کر جاتے ہیں تو کوئی بھی ان کی بات نہیں سنتا بلکہ ان پر مزید ظلم سے قائم [illegible]تا ہے۔ نظام الملک نے جو وزیر اعظم ہے ابو نصر ایسے آدمی کو جس میں نے ا[illegible]

---

(۱) [illegible]ں کے بعد ہارون کی دوسری بہن کے سلسلے میں ایک روایت بیان کی گئی ہے [illegible]ر ہم نے اس کا ترجمہ پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ جون ایلیا

کے مرتبے کا کوئی وزیر اعظم کسی عہد میں کسی بادشاہ کی خدمت میں اور کسی ملک میں نہیں ہوا۔ اس بہتان پر شہید کرا دیا کہ اس نے سلطان کے مال میں تصرف کیا ہے۔ خواجہ ابو نصر دس درہم ٹیکس وصول کرتا تھا اور اسے خزانے میں داخل کر دیتا تھا۔ اس کے برعکس یہ شخص (نظام الملک) پچاس درہم ٹیکس وصول کرتا ہے جن میں سے آدھے بھی سلطان کے کاموں میں صرف نہیں کرتا۔ وہ اپنے عملے کو قلیل ترین تنخواہیں دیتا ہے اور باقی روپیہ اپنے اعزا، اپنی اولاد اور اپنے دامادوں پر صرف کرتا ہے۔ وہ جو دولت سلطنت کے طول و عرض میں اینٹ اور ریت کی عمارتیں بنانے پر صرف کرتا ہے اس کا سب کو علم ہے۔ خواجہ ابو نصر نے کبھی اپنی اولاد پر یا مٹی اور ریت کے گھروندوں پر روپیہ صرف نہیں کیا تھا لوگ عاجزی اور فرو ماندگی میں مبتلا ہیں اور انھیں نجات کی کوئی امید نہیں۔ اگر کچھ لوگ تنگ آکر اپنی جان پر کھیل جائیں اور ظالموں میں سے کسی ایک دو کو دفع کر دیں یا مار ڈالیں تو وہ معذور ہیں۔

وقتِ ضرورت چو نماند گریز ـ دست بگیرد سرِ شمشیر تیز (۱)

---

(۱) یہ شعر شیخ سعدی کا ہے اور گلستاں کے باب اول در سیرت پادشاہاں کی پہلی ہی حکایت میں آیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شعر حسن صباح کے خط میں کہاں سے آیا۔ سعدی کی ولادت حسن صباح کی وفات (۵۱۸ھ / ۱۱۲۴ء) کے ۶۲ برس بعد یعنی تقریباً ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء میں ہوئی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ خط جعلی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی کو حسن بن صباح کی طرف سے ایک ایسا خط تصنیف کرنے کی کیا ضرورت تھی جس میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی۔ خط میں جن اخلاقی سماجی اور معاشی حالات

باقی فٹ نوٹ صـ۴۲

حسن صباح کو ان معاملات میں دخل دینے اور کسی کو اکسانے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ سب کچھ قضا و قدر کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے اپنی سرگرمیاں روک دینی چاہئیں ورنہ آپ مجھے سزا دیں گے۔ نعوذ باللہ جو میں حسن، کسی ایسے عمل کا

بقیہ فٹ نوٹ صـ۴۱

کا ذکر کیا گیا ہے وہ متعلقہ تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں طبری، کامل ابن اثیر، تاریخ بغداد اور دوسری تاریخوں اور تذکروں کی ورق گردانی کی جا سکتی ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ سعدی کے شعر کی موجودگی میں یہ خط حسن کا لکھا ہوا نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں یہ خط سعدی کے عہد کے بعد کے کسی شیعہ کی تصنیف ہوگا۔ وہ اسماعیلی شیعہ ہو یا اثنا عشری۔ مگر خط کے بعض مندرجات اس کی یکسر نفی کرتے ہیں۔ کوئی شیعہ بھی کسی شیعہ کی طرف سے ایسی کوئی تحریر تصنیف نہیں کر سکتا جس میں چاروں کے چاروں خلفاء اور تمام اصحاب عشرہ مبشرہ کے لیے محبت و عقیدت کا اظہار کیا گیا ہو اور مسلک امامیہ کے خلاف "اولی الامر" سے ائمہ معصومین کے بجائے حاکمان وقت مراد لئے گئے ہوں اور لکھنے والا یہ سب کچھ لکھنے پر مجبور بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ خط حسن کے بجائے بعد کے کسی شیعہ نے لکھا ہے تو وہ اپنے جعلی خط میں جو کچھ چاہتا آزادی سے لکھتا اور اپنے مسلک کے خلاف ایک حرف بھی خط میں نہ آنے دیتا۔ قاضی نور اللہ شوشتری ایسے ثقہ عالم اور فقیہ کے بارے میں تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ حسن کے نام سے ایک خط تصنیف کر کے اپنی مجالس المومنین میں شامل کر دینگے اور جس کو بعض اعتبارات سے سنی موقف کا حامی بنا کر پیش کریں گے

باقی فٹ نوٹ صـ۴۳

مرتکب ہوں جو بندگان عالی کی منشا کے خلاف ہو۔ لیکن چونکہ دربار میں ایک ایسا گروہ ہے جو میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ میں یہ گوشہ اپنے تصرف میں لے آیا ہوں اور اسے اپنی پناہ گاہ بنایا ہے۔ جب میں اپنے دشمنوں سے نمٹ لوں گا تو درگاہ سلطانی میں حاضر ہو کر بندگانِ عالی

بقیہ فٹ نوٹ صـ۴۲

یوں بھی قاضی نور اللہ شوشتری حسن صباح کے باب میں اتنے سرگرم نہیں ہو سکتے اس لیے کہ وہ امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں تھے اور اثنا عشری تھے اور حسن ان کے حریف فرقے کا پیرو یعنی اسماعیلی تھا۔ البتہ خود حسن صباح کا مصلحت کے تحت، رواداری کے طور پر اور ایک سنی حکمراں (ملک شاہ) کی تالیف قلب کے لیے اپنے خط میں ایسی باتیں لکھنا بالکل ممکن ہے جن کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اب رہا خط میں سعدی کے شعر کی موجودگی کا مسئلہ تو کہا جا سکتا ہے کہ سعدی کے معاصر یا اس کے بعد کے کسی نسخہ نگار نے خط کے سیاق و سباق کی مناسبت سے یہ شعر اپنی طرف سے لکھ کر دیا ہو۔

اس سلسلے میں ایک غیر اسماعیلی محقق کریم کشاورز نے اپنی تالیف حسن صباح میں لکھا ہے کہ "اگر بعد کے لوگوں کے ہاتھوں اس خط میں کچھ تبدیلیاں بھی واقع ہو گئی ہیں تو وہ الفاظ سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ مضمون سے ...... دوسری بات یہ کہ اس نے خط میں بظاہر انقیاد و اطاعت سے کام لیا ہے لیکن وہ اپنے نظریات اور عقائد سے ذرہ برابر بھی روگردانی نہیں کرتا۔" حسن صباح صـ۳۱-۳۲

بہرحال اس خط کی اصلیت کے بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے دینا آسان نہیں۔

جوشی ایلیا

کے زمرے میں شامل ہو جاؤں گا۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں وہ سلطان کی دنیوی اور دینی بہبود کے لئے کر رہا ہوں اگر مجھ سے اس کے برعکس کوئی امر صادر ہو اور میں سلطان کی حکم عدولی کروں تو مجھے سزا ملنی چاہیے اور نزدیک و دور کے لوگوں کو مجھ پر طعن کرنی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ میں "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" کی سعادت سے محروم رہا۔ اس طرح درگاہ سلطانی میں میرے دشمنوں کی عزت و حرمت بڑھے گی وہ میرے بارے میں گمراہ کن کہانیاں گھڑ سکیں گے جن کا مجھے علم بھی نہ ہوگا اور مجھ سے دین اور دعوت کے سلسلے میں جو بھی نیکی ظاہر ہوگی وہ اسے لوگوں میں بدی کے طور پر شہرت دینگے اور میری نیک نامی کو بدنامی سے بدل دیں گے۔

اگر میں نظام الملک کی دشمنی کے باوجود خود کو سلطان کے دربار میں پیش کردوں اور اس نے مجھ پر جو مظالم ڈھائے ہیں انھیں بھی بھول جاؤں تب بھی مجھے سلطان کی خاطر عباسیوں کی اطاعت کرنی پڑے گی اور ان کے احکام سے میرے لیے مفر نہ ہوگی۔ سلطان میری اور عباسیوں کی نزاع سے خوب واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ انھوں نے میرے خلاف کیا کیا کوششیں کی ہیں۔ یہاں تک کہ جب میں مصر پہنچا تو انھوں نے مجھے گرفتار کرانے کی کوشش کی۔ وہ مجھے راستے میں گرفتار نہ کرا سکے تو انھوں نے مصر کے سپہ سالار بدر الجمالی کو مال کثیر روانہ کیا اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ چنانچہ بدر الجمالی میرے درپے ہوا۔ اگر خلیفہ برحق مستنصر باللہ کی عنایت نہ ہوتی تو میں اس مصیبت سے نہ نکل سکتا۔ پھر بھی امیر الجیوش بدر الجمالی مجھے سمندر کے راستے فرنگیوں کے ساتھ فرنگ بھیجنے میں کامیاب ہوگیا جہاں مجھے فرنگیوں میں

تبلیغ کرنی تھی۔ خدا کے فضل سے میں نے اس گرداب بلا سے نجات پائی۔ اس کے بعد کئی سال کی مصیبتوں اور پریشانیوں کے بعد میں عراق پہنچ سکا۔ وہ اب بھی میرے درپے آزار ہیں آج جب کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں اور میں نے علوی خلفا کی دعوت ظاہر کی ہے اور طبرستان، قہستان اور جبال میں چند قلعے اپنے قبضے میں لے آیا ہوں۔ اب رفیقوں، مونسوں اور علوی شیعوں میں سے بہت سے لوگ میرے گرد جمع ہیں۔ عباسی انھیں وجوہ سے مجھ سے خائف ہیں وہ اپنی سی کوشش کرتے ہیں کہ میرے خلاف سلطان کے کان بھریں وہ مجھے نقصان پہنچانے میں دل و جان سے کوشاں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ وہ مجھے سلطان سے طلب کریں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت کیا پیش آئے گا اور جس طرح بھی پیش آئے گا وہ برائی سے خالی نہ ہوگا۔ اگر سلطان ان کے التماس کو قبول کرتے ہیں تو وہ اسے کبھی پورا نہیں کرسکتے اور مسلکِ مروت میں معذور نہیں ٹھیرائے جائیں گے۔ اگر سلطان ان کے التماس کو قبول نہیں کرتے تو کچھ جاہل جو عباسیوں کی خلافت پر اعتقاد رکھتے ہیں وہ سلطان پر طعن و تشنیع کریں گے اور کہیں گے کہ زین پوش کاندھے پر ڈال کر گھوڑے کے آگے پیدل چلنا کیا معنی رکھتا ہے (یعنی طاقتور ہوتے ہوئے کسی کی اطاعت کرنا کہاں کی دانشمندی ہے) اور حسن صباح کو ان کے حوالے نہ کرنے کا کیا مطلب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان باتوں کے نتیجے میں دونوں گروہوں (ملک شاہ اور عباسی خلفاء) کے درمیان تصادم واقع ہو جائے۔ نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ جہاں تک سلطان کی اس بات کا تعلق ہے کہ الموت اگر آسمانی برجوں میں سے ایک برج ہوتا تب بھی آپ اسے خاک کے برابر کر دیتے تو اس قلعے کے ساکن امام وقت کے ارشاد

پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ قلعے ان سے مدتِ دراز تک کوئی نہیں چھین سکتا۔ یہ معاملہ عنایت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے اور اب کے میں اس گوشے میں بیٹھا ہوں اور لوگوں نے جو فرائض میرے سپرد کئے ہیں انھیں بجالاتا ہوں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ سلطان اور ارکان دولت راہِ راست پر آجائیں اور میری دعا ہے کہ خدا انھیں دینِ حق سے نوازے اور عباسیوں کے فسق و فساد کو خلق سے دور کرے اگر دین و دنیا کی سعادت سلطان کے شامل حال ہو تو انھیں وہی کچھ کرنا چاہیے جو سلطانِ اسلام محمود غازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا کہ وہ عباسیوں کے شر کو دفع کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور سید علاؤ الملک کو ترمذ سے بلا کر ان کو خلافت کا منصب دیا تھا۔ سلطان سے بھی یہی کارِ بزرگ ظہور میں آنا چاہیے ورنہ وہ وقت آئے گا ہمارا بادشاہِ عادل بروئے کار آئے اور یہ کام کرے اور مسلمانوں کو ظلم سے نجات دے۔ والسلامُ علیٰ مَن اتبعَ الہدیٰ۔

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن کی بغاوت بنیادی طور پر سلجوقیوں کے خلاف نہیں تھی بلکہ بدر الجمالی کے اقتدار کے خلاف تھی۔ بدر الجمالی نے نزار کے چھوٹے بھائی مستعلی کو امام مستنصرؑ کا جانشین قرار دیا تھا۔ حسن نے نزار کے حق پر اصرار کیا (۱) اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے وقت کے معاشرتی نظام اور عباسیوں کے دلال سلجوقی امیروں کی مخالفت کی۔ چنانچہ اس کا علم بغاوت دو سمتوں میں لہرایا یعنی بغداد اور مصر کے طاقتور استبداد کے خلاف جب کہ اس کی دعوت ایک چھوٹی سی جماعت

---

(۱) کامل ابن اثیر میں ہے کہ حسن صباح نے مستنصر سے معلوم کیا کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہے؟ مستنصرؑ نے جواب دیا کہ میرا بڑا بیٹا نزار۔ کامل جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۷ طبع بیروت۔

کے لیے تھی۔ حسن کے خلاف بہت سے لوگ متحد ہوئے اور اس کے خلاف طرح طرح کی سازشیں ہوئیں دشمنوں نے اسے تباہ کرنے کے لیے قلم اور تلوار دونوں کا سہارا لیا۔ ظلم اور استبداد کی قوتوں نے حسن کی حقیقی صورتِ حال کو عوام سے پوشیدہ رکھا۔ دشمنوں نے حسن کے بارے میں عجیب و غریب افواہیں پھیلائیں۔ انھوں نے کہا کہ حسن پرلے درجے کا عیاش تھا۔ ان تضادات کا سبب ایک طرف تو عباسیوں کا پروپیگنڈا تھا اور دوسری طرف حسن کے سوانح نگاروں کی بے پروا ہی کہ انھوں نے حقائق و واقعات کو معروضی تجزیے کے ذریعے صداقت کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں حسن ایک پُرآشوب زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس لیے اس کے بارے میں مکمل حقیقت کا جان لینا ذرا مشکل ہے حسن کی سوانح ایسا آدمی کبھی نہیں لکھ سکتا جو اسماعیلی عقائد سے واقف نہ ہو۔

یہاں یہ دعویٰ نہیں کیا جا رہا ہے کہ آئندہ صفحات میں حسن کی جو تصویر پیش کی جا رہی ہے وہ مکمل اور مفصّل ہے۔ لیکن بہترین کوشش یہی رہی ہے کہ اس کی سوانح کو صحیح پس منظر میں پیش کیا جائے اس کے باوجود تمام انسانی کوششوں کی طرح یہ کوشش بھی نامکمل ثابت ہو سکتی ہے۔

حصہ اوّل

پیدائش مشہور ترین داعی اور ریاضی داں حسن بن صباح ایک پر آشوب زمانے میں پیدا ہوا اس کے سال پیدائش پر اتفاق نہیں ہے مستشرق ایوانوف نے لکھا ہے کہ جب ناصر خسرو اپنی سات سالہ غیر حاضری کے بعد ۲۶ر جمادی الثانی ۴۴۴ھ مطابق ۲۳ر اکتوبر ۱۰۵۲ء کو ہفتے کے دن بلخ واپس آیا ہے اس وقت حسن غالباً پیدا نہیں ہوا تھا اور اگر پیدا ہو چکا تھا تو بہت بچہ تھا (۱) ایوانوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اسوقت (یعنی قیام مصر کے دوران) حسن نوجوان تھا اور اسکی عمر غالباً تیس برس سے بھی کم تھی" (۲)

حسن ۱۸ر صفر ۴۷۱ھ ۳۰ر اگست ۱۰۷۸ء کو بدھ کے دن قاہرہ پہنچا تھا۔ وہاں وہ ڈیڑھ برس مقیم رہا (۳) سو اگر یہ مانا جائے کہ ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء یا ۴۷۲ھ / ۱۰۷۹ء میں اسکی عمر تیس برس کی تھی تو اسکا سال پیدائش ۴۴۱ھ / ۱۰۴۹ء یا ۴۴۲ھ / ۱۰۵۰ء قرار پاتا ہے۔ اسکی پیدائش کے سلسلے میں جو بات پوری احتیاط کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ ۴۳۰ھ / ۱۰۳۹ء اور ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء کے درمیان پیدا ہوا۔

آبا و اجداد اور اوائل زندگی حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسن بن صباح حمیری یمن کے خاندان شاہی طوبا کی نسل سے تھا۔ اسکا باپ کوفے سے قم چلا گیا اور قم سے رے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ حسن وہیں پیدا ہوا (۴) اسکا خاندان اثنا عشری تھا (۵) حسن کا جو خط اوپر نقل کیا جا چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع میں شافعی تھا۔ بہر حال اس کے والد نے اپنے بیٹے کی تربیت میں بہت کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں حسن نے علوم متداولہ

1- Kalami Pir: Introduction; Page XIX by W. Ivanow.

2- Ibed,Page XX.

(۳) تاریخ جہانکشا جلد سوم ص۱۸۹ فصلی از جامع التواریخ ص۶

(۴) تاریخ جہانکشا جلد سوم ص۱۸۷ فصلی از جامع التواریخ ص۱

(۵) تاریخ جہانکشا جلد سوم ص۱۸۸ فصلی از جامع التواریخ ص۱ ص۲

بطور خاص ریاضی فلسفے اور دینیات میں دستگاہ کامل بہم پہنچائی۔ ابن اثیر کہتا ہے کہ وہ حسن بن صباح ذہین آدمی تھا جو ہندسہ حساب ہیئت اور فن نیرنجات میں مہارت رکھتا تھا (۱) حسن کے بارے میں سرگذشت سیدنا کی بیان کی ہوئی یہ داستان جسے جامع التواریخ نے نقل کیا ہے بہت مشہور ہے کہ وہ نظام الملک اور خیام کا ہمدرس تھا۔ ان تینوں نے یہ عہد کیا کہ وہ آئندہ زندگی میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور تحصیل علم کے بعد اگر ان میں سے کسی ایک کی قسمت اچھی نکلی تو دوسرے دو اس سے معاونت طلب کر سکیں گے اس کے بعد سرگذشت سیدنا میں بیان کیا گیا ہے کہ اتفاقاً اس وجہ سے جو تاریخ آل سلجوق میں مسطور ہے نظام الملک وزیر ہو گیا عمر خیام نظام الملک کے پاس گیا اور اسے ایام طفلی کا عہد یاد دلایا چنانچہ عمر خیام کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔ اسی طرح حسن بن صباح بھی رے سے نظام الملک کے پاس پہنچا اور اس سے کہا" الکریم اذا وعدہ وفا" یعنی مرد کریم جو وعدہ کرتا ہے اسے وفا کرتا ہے۔ چنانچہ نظام الملک نے کہا کہ تم رے یا اصفہان کی ولایت سنبھال لو۔ حسن چونکہ ایک عالی ہمت آدمی تھا اس لیے اس نے اسے قبول نہ کیا کیوں کہ وہ وزارت میں شرکت کی توقع رکھتا تھا۔ نظام الملک نے کہا کہ تم کچھ دن سلطان کی ملازمت کرو۔ چوں کہ نظام الملک یہ بات سمجھ گیا تھا کہ حسن وزارت کا طالب ہے اور وہی جاہ و مرتبہ چاہتا ہے جو اسے حاصل ہے اس سے اجتناب برتنے لگا۔ چند سال کے بعد کا واقعہ ہے کہ سلطان کسی بات پر نظام الملک سے

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص۳۱۶ طبع بیروت۔

ناراض ہوگیا اور اس سے (آمد و خرچ سلطنت کا) حساب طلب کیا۔ نظام الملک نے ایک مدت کی مہلت طلب کی۔ حسن بن صباح نے ارکان دولت میں سے ایک شخص سے کہا کہ میں یہ کام دو ہفتے میں کر سکتا ہوں اور بعد میں اس نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا۔ نظام الملک کے غلام اور حسن بن صباح کے غلام میں دوستی تھی نظام الملک نے اپنے غلام سے کہا کہ جس وقت حسن بن صباح حساب پیش کرے اس سے کچھ دیر پہلے تم اس کے غلام کے پاس جانا اور کسی ترکیب سے حسابات کے کاغذات بے ترتیب کر دینا۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق۔ نظام الملک کے غلام نے اس فائل کو جو حسن بن صباح کا ملازم سنبھالے ہوئے تھا منتشر کر دیا۔ حسابات پیش کرنے کے وقت حسن نے کاغذات کو بے ترتیب پایا۔ اس نے انھیں مرتب کرنے کی کوشش کی مگر یہ ممکن نہ ہوسکا۔ سلطان اس بات سے بددل ہوا اور پوچھا کیا بات کیا ہے۔ حسن نے جواب دیا کہ اوراق بے ترتیب ہوگئے ہیں۔ اس پر نظام الملک نے کہا کہ بندے نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ حسن آزردہ ہوکر درگاہ سلطانی سے اٹھ آیا۔ نظام الملک اس کے درپے ہوگیا حسن بھاگ کر رے چلا گیا اور وہاں سے اصفہان۔ اصفہان جاکر وہ رئیس ابوالفضل کے یہاں روپوش ہوگیا۔"

سرگذشت سیدنا کی یہ روایت سب سے پہلے رشید الدین فضل اللہ نے اپنی جامع التواریخ میں نقل کی اور پھر اس نے جو شہرت اور مقبولیت حاصل کی وہ محتاج بیان نہیں۔ اس روایت کا وہ حصہ جو حسن صباح نظام الملک طوسی اور خیام

کی ہمدرسی سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً بے بنیاد ہے۔ مولانا سلیمان ندوی اپنی کتاب خیام ص۱۸ پر لکھتے ہیں کہ یہ داستان فرضی ہے صورت یہ ہے کہ نظام الملک سنہ ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء میں پیدا ہوا تھا(۱) جبکہ محتاط اندازے کے مطابق حسن صباح کی ولادت سنہ ۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء اور سنہ ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء کے درمیان ہوئی تھی۔ ہم مزید احتیاط سے کام لیتے ہوئے حسن کا سال پیدائش سنہ ۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء فرض کرتے ہیں اور نظام الملک کا سنہ ۴۱۰ھ/۱۰۱۹ء اس کا یہ مطلب ہوا کہ حسن کی پیدائش کے وقت نظام الملک بیس برس کا تھا۔ مولانا عبدالرزاق کانپوری نے اپنی کتاب نظام الملک طوسی میں لکھا ہے کہ حسن بن صباح کی وفات نوے برس کی عمر میں ہوئی(۲) اس حساب سے بھی نظام الملک طوسی حسن بن صباح سے اٹھارہ برس بڑا تھا کیونکہ حسن کی وفات متفقہ طور پر سنہ ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء میں ہوئی۔ مولانا عبدالرزاق کے بیان کے مطابق وہ اس وقت نوے برس کا تھا۔ اس صورت میں اس کا سال پیدائش سنہ ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء ہوا اور نظام الملک طوسی سنہ ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء یا سنہ ۴۱۰ھ/۱۰۱۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ عمروں کے اس تفاوت کے ہوتے ہوئے ان دونوں کا ہمدرس ہونا کسی طرح قابل فہم نہیں۔ سرگذشت سیدنا کی اس روایت کو جامع التواریخ سے نقل کرنے والوں نے لکھا ہے کہ حسن صباح خیام اور نظام الملک امام موفق

---

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص۲۰۴ طبع بیروت۔ دوسری کتابوں میں بھی نظام الملک کی تاریخ ولادت سنہ ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء ہی بیان کی گئی ہے لیکن تاریخ بیہقی میں سنہ ۴۱۰ھ/۱۰۱۹ء تحریر ہے دیکھیے خیام سید سلیمان ندوی ص۱۸ فٹ نوٹ۔

(۲) نظام الملک طوسی نفیس اکیڈمی ص۴۴۷۔

کے شاگرد تھے۔ "نظام الملک کی تعلیم اور اساتذہ تعلیم کا ذکر تاریخوں میں محفوظ ہے مگر ان میں امام موفق کا نام کسی نے نہیں لیا ہے۔" (۱)

نظام الملک کے اوائل زندگی کے بارے میں ابن اثیر لکھتا ہے کہ "وہ طوس کے دیہاتیوں میں سے تھا۔ اس کا باپ اپنی تمام جائداد کھو بیٹھا تھا اور اس کی ماں اس کے عالم شیر خوارگی میں مر گئی تھی، چنانچہ اس کا باپ اسے مختلف دائیوں کے پاس لے جاتا تھا۔ اس نے اپنی نوجوانی میں عربی سیکھی اور خدا نے اسے تحصیل علم کے سلسلے میں محنت کا شوق بخشا۔ اس نے محنت کی اور علوم میں دستگاہ کامل بہم پہنچائی۔ اس نے بہت سی احادیث سنیں۔ اس کے بعد وہ سلطان کی ملازمت میں چلا گیا اور بہت تیزی سے ترقی کے درجات طے کیے۔ اس نے خراسان کا دورہ کیا اور اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ غزنی پہنچا اور ابوعلی بن شاذان کی ملازمت میں داخل ہوا۔ ابن شاذان سلجوقی سلطان الپ ارسلان کے باپ داؤد کی طرف سے بلخ کا والی تھا۔ اس ملازمت میں اس نے جلد ترقی کی اور اپنی کارکردگی اور ایمانداری میں مشہور ہو گیا۔ جب ابوعلی بن شاذان کا انتقال ہوا تو اس نے اپنی وصیت میں الپ ارسلان سے نظام الملک کا ذکر کیا۔ اس کے حالات جاننے کے بعد الپ ارسلان نے اسے اپنی ملازمت میں لے لیا اور اس کی صلاحیتوں کی بنیاد پر اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ الپ ارسلان نے اپنے چچا طغرل بیگ کی موت پر سلطنت حاصل کی تھی۔ جب الپ ارسلان مرا تو اس کے بیٹے ملک شاہ نے اس کی جگہ لے لی (۲)

کامل ابن اثیر میں اس کے بعد ایک اور روایت نقل کی گئی ہے جو

---

(۱) خیام، سید سلیمان ندوی ص ۲۸ (۲) کامل ابن اثیر جلد نمبر ۱۰، ص ۲۰۷

یہ ہے کہ نظام الملک والی بلخ امیر تاجر کا معتمد تھا۔ امیر ہر سال کے شروع میں اسے بلاتا اور اس سے سب کچھ چھین لیتا تھا اور اس سے کہتا کہ تو موٹا ہو گیا ہے اور تجھے ایک گھوڑے اور ایک کوڑے کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو نظام الملک نے اپنے بیٹوں فخر الملک اور موید الملک کو چھپا دیا اور الپ ارسلان کے باپ چغری بک داؤد کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس کا گھوڑا ایک جگہ تھم کر رہ گیا۔ اس نے خدا سے دعا کی کہ اسے ایسا گھوڑا مل جائے جو اسے امیر تاجر سے دور لے جائے۔ کچھ دیر بعد اسے ایک ترک ملا جو ایک اچھے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس ترک نے نظام الملک سے کہا کہ گھوڑے سے اتر آؤ۔ چنانچہ نظام الملک گھوڑے سے اتر گیا۔ ترک نے اس کا گھوڑا لے لیا اور اسے اپنا گھوڑا دیتے ہوئے کہا کہ اے حسن! نظام الملک کا نام ہے مجھے مت بھولنا۔ یہ کہہ کر ترک چلا گیا۔ نظام الملک کہا کرتا تھا کہ "اس وقت مجھے اپنا مقدر بہت پُر اعتماد نظر آیا اور محسوس ہوا تھا کہ میری زندگی کے اچھے دن شروع ہو گئے ہیں۔" وہ مرو گیا اور داؤد کی ملازمت اختیار کر لی۔ داؤد نے اپنے بیٹے الپ ارسلان سے نظام الملک کا تعارف کراتے ہوئے کہا "یہ حسن طوسی ہے اسے اپنے باپ کی جگہ سمجھنا اور اس کی مخالفت نہ کرنا"۔ جب امیر تاجر کو نظام الملک کے فرار ہو جانے کی خبر ہوئی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے مرو آیا اور داؤد سے کہا کہ "یہ شخص میرا معتمد ہے۔ یہ میرا روپیہ لے کر بھاگ آیا ہے۔" داؤد نے اس سے کہا کہ وہ الپ ارسلان سے بات کرے۔ امیر تاجر الپ ارسلان سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ وہ واپس چلا گیا۔" (۱)

ابن اثیر نے نظام الملک کا تفصیلی حال لکھا ہے اور اس کا متعدد

---

(۱) کامل ابن اثیر جلد نمبر ۱۰ ص ۲۰۷ - ۲۰۸

مقامات پر ذکر کیا ہے مگر حسن صباح اور نظام الملک کی ہمدردی اور ہم مکتبی کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ اس کہانی کے جھوٹا ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حسن کے مندرجہ بالا خط میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر اس قصے میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو حسن کے اس طویل خط میں اس کا ذکر ضرور ہوتا چونکہ یہ خط سوانحی انداز کا ہے۔

حسن صباح کی سلجوقی دربار سے وابستگی حسن کی اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ تھی نہ کہ نظام الملک کی دوست نوازی کا اس لیے کہ حسن اور نظام الملک کی ہم مکتبی اور دوستی من گھڑت کہانی ہے (۱)

نظام الملک اور حسن کی چپقلش

سرگذشت سیدنا کی روایت کے مطابق جسے بعد میں دوسروں نے نقل کیا ہے جب حسن صباح سلجوقی دربار سے وابستہ ہوا تو اس کی اہلیت اور لیاقت سے خائف ہو کر نظام الملک نے اس کے خلاف سازش کی یہاں تک کہ حسن کو سلجوقی دربار چھوڑنا پڑا۔ نظام الملک اپنے بلند رتبے اور علم اور عالموں کی قدردانی کے باوجود بنیادی طور پر سازشی آدمی تھا۔ وہ اقتدار اور شہرت کا بھوکا تھا اور بلند تر درجات کے حصول میں حریفوں کو برداشت نہ کر پاتا تھا۔ جب بھی اسے کسی حریف کی بو آتی تو وہ اسے قتل کرا دیتا یا سخت سزا دیتا۔ اس کی یہی عادت آخر کار اس کے زوال کا سبب بنی۔

(۱) حسن کی سلجوقی دربار سے وابستگی کی روایت سرگذشت سیدنا میں بیان ہوئی تھی اسے سب سے پہلے جامع التواریخ نے نقل کیا اور یہاں سے وہ دوسری کتابوں میں نقل کی گئی۔

ملک شاہ اس کی ریشہ دوانیوں اور آمرانہ انداز نظر سے ناواقف نہ تھا۔ وہ ساری زندگی نظام الملک کے دبے دبے خوف میں مبتلا رہا۔ وہ ڈرتا تھا کہ نظام الملک اس کی جگہ دوسرا سلطان نہ لے آئے۔ اس کے علاوہ نظام الملک نے سلطان کے رشتہ داروں کو قتل کرانے میں سلطان کی ہمت افزائی کی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے حریفوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہتا تھا چنانچہ سلطان نے تاج الملک کے ذریعے نظام الملک کو راستے سے ہٹا دینے کا انتظام کیا۔ یہاں مشہور تاریخ النجوم الزاہرہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے: "سلطان الپ ارسلان کی بہن اور سلطان ملک شاہ سلجوقی کی پھوپھی گوہر خاتون کا انتقال ۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء میں ہوا۔ وہ ایک نیک اور دیندار خاتون تھی۔ اس کے بھائی الپ ارسلان کی موت پر نظام الملک نے اس سے روپیہ طلب کیا تھا اور اس کی بہت سی دولت پر قابض ہو گیا تھا۔ وہ مبارکیہ(۱) سپاہیوں کا ایک دستہ منظم کرنے کے لیے رہ گئی تاکہ نظام الملک سے جنگ کرے۔ نظام الملک نے ملک شاہ کے کان میں یہ بات ڈال دی اور اس سے کہا کہ وہ گوہر خاتون کو ٹھکانے لگا دے چنانچہ ملک شاہ نے اسے قتل کرا دیا۔ جب یہ خبر بغداد پہنچی تو نظام الملک لوگوں کے درمیان طعن و تشنیع کا ہدف بنا۔ انھوں نے کہا کہ کیا نظام الملک مدرسہ نظامیہ کی تعمیر سے مطمئن نہیں تھا۔ کیا وہ دوسروں

(۱) مبارکیہ ایک قلعہ تھا جسے بنو عباس کے موالی میں سے ایک شخص مبارک ترکی نے بنایا تھا۔ اس میں مبارک کے موالی رہتے تھے۔

کی زمینیں چھین کر خوش نہیں تھا کہ اب اس نے ایک عورت کے خون سے ہاتھ رنگے۔ (۱) اس کے بعد نجوم زاہرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ملک شاہ کے چچا قاروت بک کے قتل اور ملک شاہ کے چچیرے بھائیوں کے اندھے کیے جانے میں بھی نظام الملک کا ہاتھ تھا۔ اہلِ عراق نے ان ہی معاملات پر نظام الملک کی ہجو لکھی۔ (۲)

"ابو اسحاق فیروز آبادی الشیرازی الشافعی کہا کرتے تھے کہ اس مدرسے کا زیادہ تر سرو سامان غصب کیا ہوا ہے۔ وہ وہاں درس دیتے تھے مگر نماز کے وقت مدرسے کے باہر ایک مسجد میں چلے جاتے تھے" (۳) اپنی کتاب المرآۃ میں ابو المظفر نے لکھا ہے کہ "ابو اسحاق زبردست عالم اور متدین امام اور فقیہہ تھے۔ ان پر اس کے سوا اور کوئی الزام نہیں ہے کہ اپنی دینداری اور راست بازی کے باوجود وہ مدرسۂ نظامیہ میں درس دیتے رہے" (۴)

اپنے بیٹے کو آگے بڑھانے کے لیئے نظام الملک نے ایک وزیر ابو شجاع ظہیر الدین محمد بن الحسین الہمدانی کو عباسی خلیفہ مقتدی کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی اس کے نتیجے میں ابو شجاع برخاست کر دیا گیا۔ ابو شجاع کے بارے میں کتاب الفخری میں مذکور ہے کہ "ابو شجاع ایک دیندار، نکوکار اور فیاض آدمی تھا۔ وزارت چھن گئی تو اس نے کوئی اثر نہ لیا۔ سیاسی زندگی سے کنارہ کشی کر کے وہ مدینے میں

---

(۱) النجوم الزاہرہ جلد ۵ ص ۱۰۰ (۲) النجوم الزاہرہ جلد ۵ ص ۱۰۰
(۳) حاشیہ نجوم زاہرہ جلد ۵ ص ۱۱۷ (۴) النجوم الزاہرہ جلد ۵ ص ۱۱۷ — ۱۱۶

مسجد نبوی میں مقیم ہو گیا۔ وہاں جھاڑو دینا۔ فرش کرنا اور قندیلیں روشن کرنا اس کے معمولات تھے"۔ اس کے برخلاف نظام الملک طوسی پکا دنیادار اور زمانہ ساز آدمی تھا اور اس کو صرف اقتدار اور اقتدار پرستی سے غرض تھی (۱)

---

(۱) نظام الملک طوسی کی اپنی کتاب سیاست نامہ اور اس کی وصیتوں کا مجموعہ کتاب الوصایا (دستور الوزراء) اس کے کردار اور اس کی ذہنیت کا آئینہ ہیں۔ اسلامی اقدار کا یہ نقیب سیاست نامے میں محفل شراب اور اس کے شرائط کے باب میں نکات تعلیم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "یہ رہی یہ بات کہ ہر ایک اپنے لیے ساقی و صراحی ہمراہ لائے تو یہ بات درست نہیں۔ پہلے بھی اس کا کبھی رواج نہیں رہا۔ یہ طریقہ سخت ناگوار ہے ہر زمانے میں اشیائے خوردنی، کباب، گزک اور شراب بادشاہوں کے محلوں سے لوگ اپنے گھروں میں لے جاتے رہے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اپنے گھر سے مجالس ملوک میں لائے ہوں کیونکہ بادشاہ خداوند جہاں ہوتا ہے۔ اہل جہاں جملہ اس کے عیال اور غلام ہوتے ہیں۔ مناسب نہیں کہ بادشاہ کے عیال کے گھروں سے جو اس کا کھاتے ہیں، اشیائے خوردنی اور شراب وغیرہ لائی جائے۔ اگر وہ لوگ اپنے گھر سے شراب اس لیے لاتے ہیں کہ شراب دارِ خاص انھیں محروم رکھتا ہے تو اسے سزا دی جانی چاہیے۔ بری بھلی ہر کوئی پیتا ہے (وہ انکار کر کے) موجب پریشانی کیوں بنتا ہے"۔

سیاست نامہ ترجمہ محمد منور، مجلس ترقی ادب ص ۱۳۶

(باقی دوسرے صفحہ پر)

وہ بات جس نے سلطان ملک شاہ کے ذہن میں نظام الملک کے بارے میں شبہات کو مضبوط کردیا یہ تھی کہ نظام الملک نے اس کے چچا قاروت بک کو لکھے گئے بعض مکتوبات کو نذرِ آتش کردیا۔ یہ واقعہ ابو المحاسن کی زبانی سنیئے! ملک شاہ بادشاہ ہوا تو قاروت بک نے مخالفت کی۔ جنگ ہوئی جس میں قاروت بک کو قید کرلیا گیا۔ جب قاروت بک کو سلطان کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا "تمہارے امیروں نے مجھے ورغلایا تھا۔ ثبوت کے طور پر قاروت بک نے امیروں کے کچھ خطوط پیش کیے۔ ملک شاہ نے یہ خطوط لے کر نظام الملک کو دیدیے تاکہ وہ انھیں پڑھ کر سنائے لیکن نظام الملک نے انھیں سلطان کے سامنے نذرِ آتش کردیا۔ اس طرح امیروں نے سکون

پچھلے صفحے کا بقیہ نوٹ :- کتاب الوصایا (دستور الوزراء) میں جس کا ترجمہ مولانا عبدالرزاق کانپوری کی تالیف نظام الملک طوسی میں شامل ہے اس نے اپنے فرزند کو جو نصیحتیں کی ہیں ان میں سے چند نصیحتیں ملاحظہ ہوں۔

"وزیر کو چاہیے کہ اپنے عیش و عشرت کو صرف بادشاہ کی رضا پر منحصر رکھے اور یقین کرے کہ خدام کی کوئی خوشی بادشاہ کی خوشنودیٔ مزاج کے برابر نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری لذتوں کا سرچشمہ یہی ہے اور ساری کوشش اسی کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔"

نظام الملک طوسی ص ۳۱۹

"وزیر کو ہمیشہ یہ فکر رکھنا چاہیے کہ بادشاہ کا میلانِ خاطر کس جانب ہے اور جب معلوم ہو جائے تو اپنی پوری قوت حصولِ مقصود

(بقیہ ...)

کا سانس لیا۔ (۱)

ملک شاہ نے جو خطوط نظام الملک کو پڑھنے کے لیے دیے تھے ان کے ذریعے ملک شاہ کے خلاف امیروں کی سازش کھل جاتی نظام الملک نے انھیں جلا کر وہ شہادت ضائع کردی جو شاید خود اس کے خلاف جاتی اور اسے غدار ثابت کردیتی۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک شاہ کے دل میں اپنے وزیر کی طرف سے غیض و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے اور اس نے تاج الملک کے ذریعے اسے قتل کرانے کا منصوبہ بنایا۔ تاج الملک نے ایک دیلمی ملازم کے ذریعے نظام الملک کو قتل کرادیا۔ یہ رمضان ۴۸۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت نظام الملک ملک شاہ کے ساتھ بغداد کے راستے میں تھا۔ جو لوگ اس قتل کے ذمہ دار

(بقیہ فٹ نوٹ ص ۵۸)

میں صرف کردے۔" نظام الملک طوسی ص ۳۲۳

"بیگمات کی حمایت میں رہنا بہت ضرور ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان پر قبضہ کیونکر ہو؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محل کی خواصوں سے ملتا جلتا رہے اور ان کو انعامات (یعنی رشوت) سے خوش کرتا رہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ عام طور پر نہ ملے بلکہ جس کو قرب اختصاص زیادہ ہو اسے ملائے رکھے اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو اور جس کے ساتھ احسان و سلوک کیا جائے وہ یہی سمجھے کہ مجھ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔" نظام الملک طوسی، ص ۳۲۹ - ص ۳۳۰

(۱) النجوم الزاہرہ، ص ۱۳۵ جلد نمبر

تھے انھوں نے اپنے جرم کے اخفا کی خاطر حسن بن صباح کو ملزم ٹھیرایا۔ لیکن نظام الملک کے حامیوں اور حفاظتی دستے کے سپاہیوں کو حقیقت حال کا علم ہوگیا۔ وہ اس وقت خاموش ہوگئے اور موقع کی تلاش میں رہے چنانچہ انھوں نے موقع پاتے ہی تاج الملک کو قتل کر دیا۔ اس وقت تاج الملک نظام الملک کی جگہ وزیر تھا۔

قتل و خوں ریزی سلجوقی حکومت کے امیروں اور سلطانوں کا شعار تھی۔ وہ اس معاملے میں ذرا بھی تامل نہ کرتے تھے اور بہت بیباک تھے۔ خود ملک شاہ کی موت کے بارے میں زیادہ تر روایتیں زہر خورانی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ یہ زہر خورانی عباسی خلیفہ مقتدی کا کارنامہ تھی جس نے غالباً تاج الملک ہی کی مدد سے یہ کام کیا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ خلیفہ مقتدی عباسی اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لیے ملک شاہ کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا ادھر ملک شاہ نے مقتدی کو بغداد چھوڑ دینے کا حکم دے دیا تھا کیونکہ وہ بغداد کو اپنا دارالسلطنت بنانا چاہتا تھا۔ ابوالمحاسن کہتا ہے کہ "رمضان ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء ملک شاہ اصفہان سے بغداد کی طرف روانہ ہوا تاکہ مقتدی عباسی کو بغداد سے نکال دے۔ نظام الملک اس سفر میں سلطان کے ساتھ تھا اور رمضان ہی کے مہینے میں اسے راستے میں قتل کر دیا گیا۔ ملک شاہ بغداد پہنچتے ہی خلیفہ مقتدی سے ملا اور اس سے کہا کہ وہ بغداد چھوڑ کر جہاں چاہے چلا جائے۔ خلیفہ متردد ہوا اور اس نے سلطان سے ایک مہینے کی مہلت مانگی۔ سلطان نے مہلت نہیں دی۔ خلیفہ نے

تاج الملک ابوالغنائم کو بلوایا جو نظام الملک کے قتل کے بعد سلطان ملک شاہ کا وزیر مقرر ہوا تھا۔ خلیفہ نے تاج الملک سے کہا کہ وہ سلطان سے کہہ کر دس دن کی مہلت دلوا دے۔ تاج الملک نے سلطان سے یہ کہہ کر سفارش کی کہ جب ہر شخص کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے کم سے کم دس دن تیاری کرنے کے لیے درکار ہوتے ہیں تو خلیفہ پر یہ پابندی کیوں لگائی جائے۔ آخر کار سلطان نے دس دن کی مہلت دے دی اور اس دس دن کے عرصے میں ملک شاہ بیمار پڑا اور مر گیا۔" (۱)

مقتدی کو بغداد چھوڑ دینے کا حکم ملنے کے فوراً بعد سلطان ملک شاہ کی علالت اور موت شبہ پیدا کرتی ہے کہ ملک شاہ کی موت کا ذمہ دار مقتدی تھا جسے ملک شاہ نے بغداد نہ چھوڑنے کی صورت میں جلاوطنی کی دھمکی دی تھی اور جس پر خلافت کھو بیٹھنے کا خوف طاری تھا۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ملک شاہ اپنے سازشی وزیر تاج الملک کے ہاتھوں زہر سے ہلاک ہوا اور اس میں عباسی خلیفہ مقتدی کا ایما شامل تھا چونکہ اس صورت کے علاوہ مقتدی بغداد چھوڑ دینے کے حکم سے مفر نہیں پا سکتا تھا۔ غالباً تاج الملک نے یہ سوچا کہ اس سلطان کو قتل کر دینا زیادہ مناسب ہے جو بغداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے بہ نسبت اس کے کہ خلیفہ کو اس کے آبا و اجداد کے شہر سے نکال دیا جائے اور خلیفۃ المسلمین کا عز و جلال کم کیا جائے۔ خلافت میں اگر کچھ باقی رہ گیا ہے تو وہ اس کا ظاہری عز و جلال ہے اور اگر وہ بھی ختم ہو گیا تو خلافت کا ادارہ عوام کے لیے

---

(۱) النجوم الزاہرہ جلد ۵ ص ۱۳۴

تحقیر کا ہدف بن جائے گا۔

سلطان ملک شاہ کے قتل کے معاملے میں عباسی خلیفہ اور تاج الملک کی سازش کا شبہ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعد میں تاج الملک نے سلطان ملک شاہ کے شیر خوار بیٹے محمود کی ترکان خاتون کی ملازمت اختیار کی۔ ترکان خاتون اپنے بیٹے کو سلطان بنا کر اور ملک شاہ کے سب سے بڑے بیٹے اور اس کے صحیح جانشین برقیارق کے حق میں خیانت کر کے اقتدار کے خواب دیکھ رہی تھی۔ تاج الملک نے ترکان خاتون کی بہت اعانت کی اور برقیارق کے قتل کی کوششوں میں اس کی بہت ہمت افزائی کی۔ دراصل وہ خلیفہ کی مدد سے محمود کی سلطنت میں مکمل اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ محمود ابھی بچہ تھا۔ خلیفہ اور تاج الملک کے ساز باز کا ایک ثبوت یہ ہے کہ محمود کو سلطان تسلیم کرنے کے سلسلے میں ترکان خاتون سے مذاکرات کے دوران خلیفہ نے یہ شرط لگائی تھی کہ انتظامی امور کے بڑے حصے پر تاج الملک کو اختیار حاصل ہوگا۔ (۱) تاج الملک برقیارق کو قتل کرانے میں کامیاب ہو جاتا اگر حالات اس کے خلاف نہ چلے جاتے۔ نظام الملک کے آدمیوں نے اسے اپنے آقا کے قتل کے الزام میں مار دیا۔

نظام الملک کی سازش | ہم ایک بار پھر نظام الملک کی اس سازش کی طرف آتے ہیں جو اس نے حسن بن صباح کو سلطان ملک شاہ کے دربار سے نکلوانے کے لیے کی تھی۔ مورخین اور تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حسن ایک عالم آدمی ذہین ترین سیاستداں

---

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صد ۲۱۴

اور ریاضی اور دوسرے علوم کا ماہر تھا۔ سلطنت کے انتظامی معاملات میں اس کو دوسروں پر فوقیت حاصل تھی۔ اس کی ساری زندگی میں ایک بامقصد سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اسے اپنے کام کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی اور جو کام اس کے سپرد کیے جاتے وہ انھیں خوش اسلوبی سے انجام دیتا۔ اس کے برعکس نظام الملک وزیر اعلیٰ تھا اور اسے تمام افسروں پر اختیار حاصل تھا۔ اس کے اختیارات کی کوئی حد نہ تھی۔ ملک شاہ کے باپ الپ ارسلان کی زندگی میں یہی صورتِ حال رہی لیکن سلطان ملک شاہ اس معاملے میں اپنے باپ سے مختلف تھا۔ وہ مختلف محکموں کے روزمرہ معاملات میں دلچسپی لیتا تھا بطور خاص محکمۂ مال کے معاملات میں جس کا تعلق سلطنت کی آمدنی سے تھا۔ سلطنت کے ان معاملات میں مداخلت کو وزیر اعلیٰ ناپسند کرتا تھا اور اس کی کوشش یہی رہتی تھی کہ سلطان کی توجہ ادھر سے ہٹ جائے مگر سلطان اپنی دھن کا پکا تھا۔ وہ اپنے طرزِ عمل پر قائم رہا۔ اس سلسلے میں وہ تمام وزیروں کو بلاتا اور ان سے ان معاملات پر گفتگو کرتا۔ سلطان حسن کی ذہانت اور باضابطگی سے خاص طور پر متاثر تھا۔ اس لیے نظام الملک حسن کو اپنے راستے میں رکاوٹ سمجھتا تھا اور اس کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے بیقرار رہتا تھا۔

جامع التواریخ کی بنیاد پر جس نے سرگزشت سیدنا کی روایت نقل کی ہے دوسرے تذکروں اور تاریخوں میں اسے اپنے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ سلطان ملک شاہ نے ایک بار اپنے وزیر اعلیٰ نظام الملک سے کہا کہ وہ سلطنت کے محکموں کو ازسرِ نو منظم کرے اور سلطان کو یہ بتائے کہ یہ کام کتنے دن میں

ہو سکے گا۔ نظام الملک نے دو سال کا اندازہ قائم کیا (۱) سلطان کو یہ مدت زیادہ معلوم ہوئی کیونکہ وہ یہ کام جلد کرانا چاہتا تھا۔ اس نے حسن کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ کیا تم یہ کام کر سکو گے اور کر سکو گے تو کتنے دن میں؟ حسن نے سلطان سے صرف چالیس دن مانگے (۲) سلطان کو بہت حیرت ہوئی اور اس نے حسن سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم محکموں کے کام سے واقف نہیں ہو۔ وزیر اعلیٰ تو اس کام کے لیے تمہاری بتائی ہوئی مدت سے کہیں زیادہ طویل مدت کا طالب ہے۔ حسن نے سلطان کو یقین دلایا کہ اس کام میں ایک مہینے سے زیادہ صرف نہیں ہوگا۔ سلطان بہت خوش ہوا اور اس نے دفتر کے عملے کو حکم دیا کہ وہ معلومات اور دستاویزات کے سلسلے میں حسن کے ساتھ تعاون کریں۔ حسن اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ اسے اعتماد تھا کہ وہ مقررہ وقت میں کام ختم کر لے گا۔ نظام الملک کو اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ وزارت اس کے ہاتھوں سے چلی۔ چونکہ وہ حسن کی صلاحیتوں اور بطور خاص مالی معاملات میں اس کی کارکردگی سے بخوبی واقف تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ حسن بلاشبہ کامیاب ہوگا۔ وہ پریشان اور متفکر رہنے لگا۔ آخر اس نے ایک منصوبہ بنایا اور ہر ممکن کوشش کی کہ حسن وزارت سے دور رہے اور سلطان اور ارکان حکومت اس کے خلاف ہو جائیں۔ اس نے اپنے ایک معتمد خاص سے کہا کہ وہ حسن کے خاص غلام سے دوستی گانٹھے اور اس سے

---

(۱) جامع التواریخ میں مدت کا تعین نہیں کیا گیا (۲) جامع التواریخ میں دو ہفتے کی مدت بیان کی گئی ہے۔ جرنل ایلیا

اچھی طرح گھل مل جائے۔ اس کے علاوہ حسن کے غلام کو اعتماد میں لے لے اور جب دونوں میں بے تکلفی ہو جائے تو نظام الملک کو اطلاع دے دے۔ نظام الملک کے معتمد نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور حسن کے آدمی کا مکمل اعتماد حاصل کر لیا۔

حسن اس زمانے میں سلطنت کی آمدنی اور اخراجات کے کاغذات کی تنظیم میں مصروف تھا۔ آخر اس نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ نظام الملک کو معلوم ہو گیا کہ حسن نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے اور وہ عنقریب ان کاغذات کو سلطان کے سامنے پیش کرنے والا ہے۔ چنانچہ آخری وقت میں اس نے اپنے آدمی کو حکم دیا کہ وہ حسن کے کاغذات کو بے ترتیب کر دے۔ اس آدمی نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا۔ جب کاغذات سلطان کے سامنے پیش کرنے کا وقت آیا تو حسن نے سلطان کو بتایا کہ کام مکمل ہو چکا ہے اور کاغذات تیار ہیں۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے کاغذات کو بے ترتیب اور منتشر کر دیا گیا ہے اور اس طرح اس کی ساری محنت خاک میں مل چکی ہے۔ سلطان نے اس سے ایک صوبے کے حسابات طلب کیے۔ حسن متعلقہ کاغذات کو نکالنے لگا مگر وہ کاغذات وہاں نہیں تھے۔ چنانچہ جب سلطان اس سے کوئی کاغذات طلب کرتا تو حسن ڈھونڈنے میں لگ جاتا اور تلاش بے سود ثابت ہوتی۔ آخر کار سلطان بے قابو ہو گیا اور حسن پر برس پڑا۔ نظام الملک نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے سلطان سے کہا کہ وہ اگر ایسے شخص پر اعتماد کریں گے جو آسان و دشوار اور ممکن و محال کا فرق بھی نہیں جانتا اور اگر ایسے شخص کی باتوں پر کان دھریں گے جسے مالی معاملات کے بارے میں کوئی معلومات

نہیں ہے تو ظاہر ہے انھیں فریب خوردگی سے دو چار ہونا پڑیگا۔
اس طرح نظام الملک نے سلطان کے کان بھرنے شروع کیے اگر
سلطان کو حسن سے محبت نہ ہوتی اور وہ حسن کی خدمات کا معترف
نہ ہوتا تو حسن کو قتل کرا دیتا۔ حسن بھاگ کر رے چلا گیا۔ اس کا قصور
یہ تھا کہ وہ لائق ترین آدمی تھا اور اپنے کام سے خلوص رکھتا تھا۔

حصۂ دوئم

حسن کا اسماعیلی مسلک اختیار کرنا

آنحضرت صلعم
اسلام کا پیغام

ے کر آئے اور انھوں نے خدا کی توحید کی تبلیغ کی۔ عربوں نے ان کی
آواز پر لبیک کہا اور ان کے مذہب کو اختیار کیا۔ عرب قرآن
میں بیان کی ہوئی صفاتِ باری کے باب میں پریشان خیال نہیں
تھے۔ ان پر ہر بات روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ یہ انداز رسول
اکرمؐ کی زندگی تک قائم رہا یہاں تک کہ توسیع اسلام کے بعد وہ
دوسرے عقائد اور تہذیبوں کے لوگوں میں گھلے ملے۔ چنانچہ سیدھے
سادے عربوں کی فکر سادگی سے تجزیہ و تحلیل کی منزل میں آگئی۔
یونانی علوم نے ان کے مذہبی اتحاد اور یک دینی کو مختلف مکاتب
خیال میں منقسم کرنے میں مدد دی مثلاً معتزلہ جو عقلیت پسند
تھے تعلیمیہ جو ہر زمانے میں ایک معلم کے وجود کو ضروری سمجھتے تھے اور
اشاعرہ جو امام اشعری کا اتباع کرتے تھے۔ وہ خدا، اس کی حقیقت
اور خالق و مخلوق کے تعلق پر بحثیں کرتے تھے۔ وہ مختلف تفسیریں
اور تاویلیں پیش کرتے تھے اور ہر جماعت کی یہ کوشش ہوتی
تھی کہ وہ اپنے دعووں کو قرآن اور حدیث کی مخصوص تفسیر و
تشریح کی بنیاد پر صحیح ثابت کرے۔ قرآن میں ایسی آیتیں موجود ہیں

جن سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسان مختار ہے اور وہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ مثلاً یہ آیات " فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ " ۹۹/۸ یعنی جو شخص تھوڑی سی بھی نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا اور جو تھوڑی سی بھی بدی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۲/۲۸٦ یعنی خدا کسی نفس پر وہ بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ اٹھا نہ سکے، اس کے لیے اس کا اجر ہے جو اس نے کمایا ہے اور اس کے لیے وہ برائی ہے جو اس نے اختیار کی ہے مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۱۷/۱۵ یعنی " جو صحیح راستے پر چلتا ہے وہ اپنے ہی لیے ایسا کرتا ہے اور جو بھٹکتا ہے وہ اپنے ہی خلاف جاتا ہے "

اس کے برعکس ایسی آیات بھی موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان مجبور ہے۔ مثلاً یہ آیات وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۱۸/۲۳-۲۴ یعنی " اور کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہو کہ تم اسے کل کروگے سوائے اس کے کہ خدا ہی ایسا چاہے گا۔ " مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ " ۷/۱۷۸ یعنی جسے خدا ہدایت دیتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے خدا گمراہ کرتا ہے وہ گھاٹے میں ہے۔ " قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۳/۲٦ یعنی کہہ کہ اے خدا تو ہی مالک الملک ہے جسے چاہتا ہے اسے ملک

دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے تو ہی عزت دیتا ہے اور تو ہی ذلت تو نیکی کا مالک ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۷/۴۳ یعنی انھوں نے کہا کہ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ نے ہماری ہدایت نہ کی ہوتی۔ بعض آیات ایسی ہیں جن سے تشبیہ کی بنیاد فراہم ہوتی ہے جیسے بِيَدِكَ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ " ۳/۲٦ یعنی اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ۵۵/۳۱ یعنی ہم تمہارے لیے تیار رکھیں گے اے ثقلان یعنی اے جن و انس اور یہ " قَالَ يَآ اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۳۸/۷۵ یعنی " اے ابلیس کس نے تجھے اس کو سجدہ کرنے سے باز رکھا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا " اور یہ کہ " وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۸۹/۲۲ یعنی " اور تیرا رب آئے گا تو فرشتے صفیں بنائے کھڑے ہوں گے "، اور " اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى " ۲۰/۵ " یعنی رحمان عرش پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا " اور یہ " بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۵/٦۴ یعنی " بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں "

اس طرح قرآن میں بعض ایسی آیتیں بھی ہیں جن کے ظاہر فنا فی اللہ کا نظریہ اور وحدت الوجود کے اصول اخذ کیے گئے ہیں جیسے کہ قرآن میں ہے۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۲/۱۱۵ یعنی " جدھر بھی تم متوجہ ہو جاؤ وہیں اللہ کی ذات موجود ہے "، اور یہ " هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۵۷/۳ یعنی " وہی

اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن" بہرحال اس طرح اسلام میں انطاکیہ اور اسکندریہ کے مکاتب فکر کے طرز پر فلسفہ اور دین کے مکاتب قائم ہو گئے بعض فلاسفہ نے جیسے کندی، فارابی، اخوان الصفا اور ابن سینا ہیں فلسفے اور دین میں تطبیق کی کوشش کی۔ اس طرح غزالی نے بھی جو ایک اہم اشعری تھے کبھی تو یونانی فلسفے پر تنقید کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور کبھی مذہب اور فلسفے کے درمیان تطبیق کی کوشش کی۔ حنبلیوں کا حال یہ تھا کہ وہ قرآن کے ظاہری معنی پر اصرار کرتے تھے اور اس طرح تجسیم و تشبیہہ کے گڑھے میں جا گرے تھے۔ وہ ان تمام لوگوں کو حقیقت سے دور سمجھتے تھے جنھوں نے عقلیت کا علم استادہ کیا اور ان میں خاص طور پر معتزلہ کو اور بھی حقیقت سے دور سمجھتے تھے جو حقیقت کی جانچ اور پرکھ اور اخلاقی اصول کی تعریف میں عقل کو شرع پر ترجیح دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں مذہبی بحث و جدال کا بازار گرم رہا۔ یہ سلسلہ بطور خاص ایران، شام اور عراق میں جاری تھا۔ وحدت و کثرت کا مسئلہ مختلف مکاتب فکر کے درمیان نزاعی بحثوں کا مرکز بنا رہا۔ جو لوگ وحدت الوجود کے قائل تھے ان کے نزدیک اس عالم محسوس کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ کثرت کے حامی وجود کو خالق اور مخلوق کے درمیان تقسیم کرتے تھے اور خالق کو علم، حیات۔ قدرت، اختیار، ارادہ اور عقل سے متصف کرتے۔ انھیں قانون علیت سے انکار تھا اور وہ قوانین قدرت کے غیر متغیر ہونے کے قائل نہیں تھے وہ خدا کی تمام فلسفیانہ اور عقلی وضاحتوں کے خلاف تھے۔ صفات باری کی حیثیت سے حکمت، علم اور وجود کے مسائل طویل بحثوں کا

موضوع تھے۔ جبر و قدر، عالم کے قدم اور حدوث، نفس اور اس کی سعادت و شقاوت اور جسم سے جدائی کے بعد اس کی مستقل بقا یا مبدءِ اول میں فنا کے مسائل کے بارے میں بھی اختلافات کا یہی حال تھا۔ ایک اہم مسئلہ جو زیر بحث تھا وہ یہ تھا کہ معارف الہیہ کس سے حاصل کرنے چاہئیں۔ کیا وہ ہر معلم سے حاصل کئے جا سکتے ہیں یا کسی خاص معلم سے۔ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول کے بعد امام ہی علم الٰہی کا صحیح معلم ہے اور وہی ہادیٔ کامل ہے، اسی سے معارف الہیہ اور علم لدنی حاصل کرنے چاہئیں۔ تاکہ مرجع و مرکز ایک ہو اور جماعت کا اتحاد قرآن کی اس آیت کے مطابق قائم رہے "وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۵۹/۷ یعنی" رسول تمہیں جو کچھ بتائے اسے قبول کرو اور وہ تمہیں جس چیز سے روکے اس سے باز رہو" امامیہ کے برعکس دوسرے فرقے اس کے قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ معارف الہیہ یا علم الٰہی کسی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ ہر معلم سے معارف الہیہ کے حصول کو جائز قرار دیتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں میں مختلف مکاتب فکر ابھرے اور ذہین افراد کے ذہنوں میں مذہب کے بارے میں پریشان خیالی جگہ پانے لگی۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے حسن بن صباح ایک دقیق النظر عالم تھا چنانچہ وہ فکری بحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا جس کے نتیجے میں اس نے اپنے عقائد میں شک کرنا شروع کر دیا۔ اسے فلاسفہ، معتزلہ، اور اشاعرہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے کہ وہ کسی ایک بات پر متفق نہ تھے۔ ان کے خیالات بدلتے رہتے تھے ان

کے پاس کوئی خاص عقیدہ نہ تھا۔ چنانچہ حسن متفکر تھا۔ اسے ایک
اذیت ناک خلاء کا احساس ہوتا تھا۔ فوری طور پر اس کو سوائے
اس کے اور کوئی حل نہ ملا کہ وہ دنیوی امور میں مصروف ہوجائے۔
جب اسے اہل دنیا سے مایوسی ہوئی تو وہ ان پر شک کرنے لگا
اور زاہدانہ زندگی کی طرف مائل ہوگیا۔ اب اس نے ایک ایسے
مذہب کی تلاش شروع کی جو اس کے لیئے قابل قبول ہو۔ اس نے مختلف
عقائد کے لوگوں سے بحثیں کیں۔ اس زمانے میں ایران اسماعیلی دعوت
کا مرکز تھا اور یہاں اسماعیلی داعیوں کی سرگرمیوں کے لیے اچھے
مواقع موجود تھے۔ یہ داعی دور دور تک اپنے عقائد کی اشاعت
کررہے تھے وہ اپنے مخالفوں سے مناظروں میں مصروف رہتے
تھے۔ ایران بنوامیہ کے زمانے سے شیعہ دعوت کا مرکز تھا اور
یہاں شیعیت اپنے عروج پر تھی۔

اسماعیلی دعوت جو شیعہ تحریک کی ایک شاخ تھی اسے بہت
فروغ حاصل ہوا اور اس نے اثنا عشریت کے مقابلے میں حامیوں
کے ایک زیادہ بڑے گروہ کو اپنے دائرہ اثر میں لے لیا۔ فاطمی
خلفاء کے زمانے میں قاہرہ کے مدرسے اور اسماعیلی اماموں
کے دورِ ستر میں سلمیہ کے مدرسے نے داعیوں کی ایک بڑی تعداد
پیدا کی۔ یہ داعی جو علم کلام میں تربیت یافتہ اور ماہر ہوتے تھے۔
وہ اسماعیلی مذہب کو طبرستان، رے، خراسان، ماوراء النہر، بحرین،
عمان اور یمن میں پھیلا رہے تھے امام مہدیؑ کے زمانے سے پہلے
آنے والے اور ایران میں اسماعیلی دعوت کو فروغ دینے والے
داعیوں میں ایک مشہور داعی خلف تھا اس داعی نے جو زبان و

بیان پر کامل قدرت رکھتا تھا رے۔ طبرستان اور آذربائیجان میں
متقلدوں کی ایک بڑی تعداد پیدا کی، خاص طور پر عالموں میں اسے
اپنے بہت مقلد ملے۔ ان بڑے عالموں میں جنھوں نے اسماعیلی
مذہب اختیار کیا ایک داعی غیاث تھا جو دعوت کے معاملات میں
بہت سرگرم تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔ دوسرے
مکاتب فکر کے علماء سے اس کے متعدد مناظرے ہوئے۔ چنانچہ فاطمی
خلیفہ امام مہدیؑ کے عہد کے شروع میں داعی غیاث کی شہرت دور دور
پھیل گئی۔ لوگ اسے سننے کے شائق تھے اور اس کے عقائد و افکار میں
کشش پاتے تھے۔ ایک اور مشہور داعی ابوحاتم معروف نیشاپوری
تھا جو تبلیغی کام میں داعی غیاث کا نائب تھا۔ ابوحاتم جلیل القدر علماء
اور فلاسفہ میں سے تھا۔ وہ عرب کے دور جاہلیت اور اسلام کی تاریخ
سے گہری واقفیت رکھتا تھا اور اس کے علاوہ یونانی فلسفے کا بھی بہت
بڑا عالم تھا۔ وہ ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ امیر حسین ابن علی مروزی
کو اسماعیلی بنانے میں اس کا ہاتھ تھا۔ یہ امیر بہت با اثر تھا اور
خراسان، طالقان، ہرات اور غور کے علاقوں پر مکمل اقتدار رکھتا
تھا چنانچہ ان علاقوں میں اسماعیلی مذہب دور دور تک پھیل گیا۔
جب فاطمی خلیفہ مہدیؑ کی خلافت کا اعلان ہوا تو ابوحاتم رازی۔
داعی نسفی اور ابویعقوب سجستانی ایسے داعیوں کی سرگرمیاں
تیز تر ہوگئیں۔ یہ تینوں اپنے زمانے کے عظیم ترین مفکروں میں سے
تھے اور ملحدوں اور معتزلیوں کی راہ میں زبردست رکاوٹ تھے۔
"ابوحاتم ایک عظیم اسماعیلی داعی تھا اور اس نے فاطمیوں کی دعوت
پر لبیک کہا تھا۔ اس نے طبرستان، دیلم اور بطور خاص اصفہان

اور رے کے علاقوں میں سیاسی معاملات میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجے میں سلطنت کے بعض سربرآوردہ افراد مثلاً اسفار بن شیرویہ اور سپہ سالار مرداویج اس کے ساتھ آ گئے۔ (۱) مرداویج اور امام عبیداللہ المہدی کے درمیان رابطہ ابو حاتم ہی کی کوشش سے قائم ہوا تھا۔ یہ شرقی داعی مشرق کے امراء اور عوام کے لیے عبیداللہ المہدی کے سفیر تھے۔ (۲)

مختصر یہ کہ ان داعیوں نے فاطمی دعوت کی اشاعت کے سلسلے میں بڑے کارنامے انجام دیے۔ ان کی سرگرمیوں اور تحریروں کے نتیجے میں بعض عظیم داعی پیدا ہوئے مثلاً خلیفہ حاکم بامر اللہ کے داعی الدعاۃ اور کئی عظیم کتابوں کے مصنف حمید الدین کرمانی، خلیفہ مستنصر باللہ کے داعی الدعاۃ مؤید فی الدین شیرازی اور مشہور شاعر فلسفی اور سیاح ناصر خسرو جن کی تعلیمات نے حسن بن صباح کو بہت متاثر کیا۔ ملتِ اسلامیہ کی اس فکری تحریک نے بڑی ترقی کی اور مذہبی تجربات اور علم کی روشنی دور دور تک پھیلائی۔ اس نے عام ثقافتی تحریک اور اس کی ترقی میں بھی نمایاں حصہ لیا جس سے چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کو ایک امتیازی زمانے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

حسن بن صباح اسماعیلی داعیوں سے ٹکرایا اس کی ان سے طویل بحثیں ہوئیں اور مناظرے قائم ہوئے۔ وہ ان کی مناظرانہ صلاحیتوں اور گہری علمیت سے بہت متاثر ہوا لیکن اس نے یہ نتیجہ

---

(۱) رسائل فلسفیہ پول کراوس ص ۲۹۱

(۲) عبیداللہ المہدی ص ۲۴۶ حسن ابراہیم حسن و طہ احمد شرف۔

نکالا کہ اسماعیلی دراصل فلسفیوں کا ایک گروہ ہیں اور خلیفہ مستنصر باللہ ایک عظیم مفکر ہے۔ حسن داعی امیر ضراب سے ملا جس نے حسن کے ذہن سے اسماعیلیوں کے بارے میں فلسفی ہونے کا شبہ دور کر دیا۔ اس نے حسن کے ذہن میں اسماعیلی عقیدے کے بیج بوئے۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد حسن اسماعیلی عقائد کی طرف مائل ہو گیا اور اس نے طے کیا کہ وہ اس مذہب کو اختیار کرے گا اسی اثنا میں وہ شدید مرض میں مبتلا ہوا جسے اس نے مرضِ موت سمجھا وہ اس بات پر سخت نادم تھا کہ اس نے ایک ایسے مذہب کو اختیار کرنے میں دیر کیوں کی جو اس کے خیال میں مذہبِ حق ہے اور جو شخص اس مذہب کے سوا کسی اور مذہب پر مرے گا تو وہ باطل پر مرے گا۔ اس خوف نے اس کے ذہن کو تہ و بالا کر ڈالا اور اس طرح وہ فاطمی مثالیوں (IDEALS) کی طرف اور بھی زیادہ جھک گیا۔ جیسے ہی اس کی صحت ذرا بہتر ہوئی اس نے دو داعیوں ابو النجم السراج اور مومن سے اسماعیلی عقائد کی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔ ان داعیوں نے اس کے لیے اسماعیلی اصولوں کی ایسی توضیح کی کہ وہ اس مذہب سے بخوبی واقف ہو گیا اور اس کے بارے میں سب کچھ جان گیا اس کے بعد اس نے داعی مومن سے درخواست کی کہ اسے اسماعیلی مذہب میں داخل کر لیا جائے۔ آخر داعی مومن نے اس سے بیعت لے لی۔

حسن کی بیعت کے کچھ دن بعد عراق کا اسماعیلی داعی الدعاۃ عبدالملک بن عطاش اصفہان آیا۔ عبدالملک بن عطاش بہت بڑا عالم تھا۔ ابن اثیر اپنی کتاب کامل فی التاریخ میں لکھتا ہے کہ عبدالملک بن عطاش ایک فصیح و بلیغ ادیب فن خطاطی کا ماہر

اور انتہائی معاملہ فہم آدمی تھا۔ اسماعیلیت کی محبت سے اس کا دل معمور تھا۔ عبدالملک کو اسماعیلی برادری میں حسن کے داخل ہونے پر بڑی خوشی تھی۔ جب اسے حسن کی علمیت، صلاحیت، نکوکاری خلوص اور اسماعیلی مذہب سے اس کی والہانہ وابستگی کا اندازہ ہوا تو اس نے حسن کو اپنا وکیل اور نائب بنا دیا اور فنون دعوت میں اس کی تربیت کی۔ اس نے حسن سے کہا کہ وہ مصر جا کر خلیفہ مستنصرؒ سے ملے اور وہاں کے داعی الدعاۃ سے رابطہ قائم کرے تاکہ وہ معارف الہیہ سے خاطر خواہ حد تک واقف ہو جائے اور دعوت کے اصول کو ان کے اصل سرچشموں سے حاصل کرے۔ ان دنوں مصر دعوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

حسن مصر میں

ہر داعی کی دلی خواہش ہوا کرتی تھی کہ دعوت کے صدر مرکز جائے۔ چنانچہ اکثر جلیل القدر داعیوں نے مصر کا سفر کیا جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ حمیدالدین کرمانی، مویدفی الدین الشیرازی اور ناصر خسرو۔ حسن سنہ ۴۷۱ھ میں مصر پہنچا (۱) وہ اس سفر میں اصفہان، آذربائیجان، موصل، رحبہ اور شام سے گزرا۔ اس سفر کے دوران اس نے فاطمی دعوت کی اشاعت کا کام جاری رکھا اور اسماعیلی عقائد کی تبلیغ کے سلسلے میں مختلف داعیوں کی امداد بھی کرتا رہا۔ وہ جہاں بھی گیا اس نے اسماعیلی

---

(۱) یہ سرگذشت سیدنا (تاریخ جہانکشا و جامع التواریخ) کی روایت ہے۔ کامل ابن اثیر نے اس سفر کی تاریخ ۴۰۹ھ لکھی ہے مگر از روئے قیاس سرگذشت ہی کی روایت صحیح ہے۔ جون ایلیا

عقائد کے حامی اور فاطمی دعوت کے دوست پیدا کیے۔ اس کی شہرت دور دور پھیل گئی، اور اس کے شاندار کارناموں کی خبریں ملکوں کی آخری سرحدوں تک جا پہنچیں۔ سنہ ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء میں مصر میں اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کی کامیابیوں کی خبریں وہاں تک پہنچ چکی تھیں۔ جب وہ مصر کی سرحدوں میں داخل ہوا تو داعی، شیخ اور با اثر افراد سرحد پر اس کا استقبال کرنے آئے۔ خلیفہ مستنصر باللہؑ کی طرف سے اسے خوش آمدید کہا گیا۔ خلیفہ کی جانب سے حسن کو حکم ملا کہ وہ لوگوں میں اس کی امامت کی تبلیغ کرے (۱) ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "حسن، ابن عطاش طبیب کے شاگردوں میں سے تھا۔ وہ بہت سے ملکوں میں گیا اور آخر کار مصر پہنچا اور خلیفہ مستنصرؑ سے ملا۔ خلیفہ مستنصرؑ نے اس کی عزت کی۔ اس پر بخشش و انعام کے دروازے کھول دیے اور اس سے کہا کہ وہ خلیفہ کی امامت کی تبلیغ کرے۔ حسن نے خلیفہ سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون امام ہوگا۔ خلیفہ مستنصرؑ نے اپنے بیٹے نزار کی طرف اشارہ کیا۔ (۲)

حسن مصر میں اٹھارہ مہینے مقیم رہا اور اس مدت میں اسے

---

(۱) سرگذشت سیدنا میں حسن کی زبانی یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی امام مستنصر سے ملاقات تو نہیں ہوئی تھی البتہ حسن کو ان کی توجہ حاصل تھی۔ تاریخ جہانکشا حصہ سوم ص۱۹۰ فصلی از جامع التواریخ ص۶

(۲) کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص۳۱۷۔ کامل ابن اثیر میں یہ روایت چار بار آئی ہے دیکھئے کامل ابن اثیر جلد ۹ ص۴۴۸، کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص۲۳۷

اپنے امام کی سرپرستی حاصل رہی۔ اس نے اسماعیلی مذہب کے اصول و عقائد کا مطالعہ کیا اور دارالحکومت کے اکابر سے دعوت کے طریقوں کی تعلیم حاصل کی۔ دارالحکمت اس زمانے میں مشرق و مغرب کا سب سے بڑا علمی اور تہذیبی مرکز تھا۔ اس طرح حسن علم کے مراکز بن گیا اور داعیوں اور عالموں سے مستفید ہوا۔ وہ جس سے بھی ملا اس پر اس نے اپنی دور اندیشی، فراست اور فطانت کا اثر ضرور چھوڑا یہاں تک کہ وہ ان لوگوں کے درمیان شہرت کا مالک ہو گیا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن واقعہ یہ تھا کہ پُرخلوص اسماعیلی افراد وزیروں کی نفرت کا نشانہ بنتے تھے۔ یہ وزیر آمریت کے خواب دیکھ رہے تھے اور خلیفہ کے اقتدار کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اسی بنا پر پُرخلوص اسماعیلی امام پر اپنے ایمان کی وجہ سے ان وزیروں کے ہاتھوں مصائب کے شکار ہوتے رہتے تھے۔ حسن بھی وزیروں اور امیروں کے گروہ سے ٹکرایا جس کا سربراہ وزیر اعظم بدرالجمالی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حسن کو گرفتار کر لیا گیا اور دمیاط کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ جھگڑے کا سب سے بڑا سبب یہ تھی کہ حسن خلیفہ کی جانشینی کے مسئلے میں بدرالجمالی کی کوششوں سے متنفر تھا۔ بدرالجمالی کو یقین تھا کہ اگر نزار اپنے باپ کا جانشین بنا تو اس کی اپنی حیثیت خطرے میں پڑ جائے گی اور وہ اپنی وزارت عظمیٰ اپنی اولاد کو منتقل نہ کر سکے گا چنانچہ اس نے نزار کی جانشینی کے خلاف اور مستنصر کے چھوٹے فرزند احمد المستعلی کی حمایت میں مہم چلائی۔ اس نے اپنی یہ مہم اعلیٰ افسروں اور با اثر لوگوں میں شروع کی۔

اسماعیلی دعوت یمن میں

جس زمانے میں یمن عباسی سلطنت میں شامل تھا اس زمانے میں یمن کے لوگ شیعیت کی طرف مائل تھے سنہ ۲۶۸ھ ۹۷۹ میں جب اسماعیلی داعی ابوالقاسم

حسن بن فرح بن حوشب کوفی اور علی بن فضل یمانی یمن آئے تو لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں ان کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اسماعیلی مذہب اختیار کر لیا۔ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ فاطمی دعوت یمن میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی۔ ابن حوشب نے عدن لاعہ میں ایک قلعہ بنایا۔ اس کی فوجوں نے صنعا پر حملہ کیا اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ابن حوشب نے سنہ ۳۰۲ھ میں وفات پائی تو اس کا شاگرد ابوعبداللہ بن عباس شاوری دعوت کا سربراہ ہو گیا۔ ابوعبداللہ بن عباس شاوری کی وفات کے بعد دعوت کی سربراہی یوسف بن ابی الطفل کے ہاتھوں میں گئی جسے عباسی کارندوں نے قتل کر دیا اس کے بعد ابن جفتم داعی ہوا۔ وہ ایک اچھا رہنما تھا اور اس نے عباسیوں کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ وہ فاطمی خلیفہ معزلدین اللہ سے خط و کتابت کرتا رہتا تھا اور انھیں یمن کے بارے میں مفصل اطلاعات پہنچاتا رہتا تھا۔ ابن جفتم کی موت پر عبداللہ بن بشر قطبی داعی ہوا۔ یہ خلیفہ عزیز فاطمی کا دور تھا۔ اس کے بعد محمد بن احمد شاوری داعی ہوا جس کا جانشین ہارون بن محمد قدامی مقرر ہوا۔ ہارون خلیفہ حاکم بامراللہ سے خط و کتابت کرتا تھا۔ اس کا جانشین یوسف بن احمد الاشج ہوا جسے یوسف بن اسد بھی کہا جاتا ہے۔ یوسف کی موت پر سلیمان بن عبداللہ رداحی یا زداحی داعی قرار پایا۔ یہ داعی با اثر، مالدار اور بہت سرگرم تھا۔ اس نے اپنی دولت اور حیثیت کو فاطمی دعوت کی اشاعت کے لیے استعمال کیا۔ جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ اسماعیلی عقیدے کے پیرو ہو گئے۔ جن میں علی بن محمد صلیحی بھی شامل تھا۔ صلیحی عالم اور ہوشیار سیاستداں تھا۔ وہ صلیحی خاندان کا سردار تھا اور بعد میں اس نے ایک خاندان شاہی کی

بنیاد ڈالی۔ اپنی موت کے بعد سلیمان زواحی کو علی صلیحی سے بہتر آدمی نظر نہ آیا لہٰذا اس نے علی کو اپنا جانشین بنا دیا۔ علی نے لوگوں میں پوشیدہ طور پر تبلیغ شروع کی اور بہت سے لوگوں کو اسماعیلی مذہب کی طرف لے آیا۔ جب علی کا اقتدار مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا تو اس نے عام طور پر علی الاعلان دعوت کی اجازت حاصل کرنے کے لیے اپنے امام مستنصر باللہؑ کو ایک خط لکھا اور اس خط کے ساتھ قیمتی تحفے بھی بھیجے۔

فاطمی خلیفہ مستنصرؑ کی حمایت کی بنا پر علی بن محمد صلیحی کی شہرت اور اقتدار میں بہت اضافہ ہوا۔ ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء تک وہ تقریباً تمام یمن پر قابض ہو چکا تھا۔ مستنصر باللہؑ اور علی کے درمیان بہت سے خطوط اور پیغاموں کا تبادلہ ہوا۔ جب علی مکے کے سفر کے دوران مارا گیا تو اس کا بیٹا مکرم اس کا جانشین ہوا۔ خلیفہ مستنصر نے اس کی جانشینی کی تصدیق کر دی لیکن سلطنت کا انتظام اس کی بیوی اروی بنت احمد بن محمد بن جعفر بن موسیٰ صلیحی کے ہاتھ میں رہا۔ عظیم خاتون بہت عقلمند اور ذہین تھی۔ موید فی الدین شیرازی کے سال وفات ۴۷۰ھ میں خلیفہ مستنصرؑ نے مکرم کو خط لکھا جس میں حکومت اور دعوت کے لیے بدرالجمالی کی خدمات کو سراہا گیا تھا۔ چنانچہ بدرالجمالی نے اپنی شہرت کی بنیاد پر یمن والوں کی نظروں میں نزار کے خلاف مستعلی کے دعوے کو مقبول بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء میں مستنصر باللہؑ کی وفات پر افضل بن بدرالجمالی نے ان کے جانشین نزار کو جلا وطن کر دیا اور نزار کے چھوٹے بھائی مستعلی کے حق میں بیعت لے لی۔ اس نے فاطمی سلطنت کی تمام ولایتوں کو اس صورت حال سے مطلع کر دیا اور اپنے اقتدار کی بنیاد پر صلیحی

ملکہ اروی کو مستعلی کی امامت قبول کرنے پر راضی کر لیا چنانچہ اروی نے لوگوں کو مستعلی کی خلافت کے قبول کرنے کی دعوت دی تا آنکہ مستعلی کی جگہ اس کا بیٹا آمر امام ہوا جو قتل ہو گیا چونکہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا اس کا چچیرا بھائی حافظ مسند خلافت پر بیٹھا۔ النجوم الزاہرہ کا مصنف لکھتا ہے کہ "حافظ اپنے چچازاد بھائی آمر کے قتل کے بعد مصر میں خلافت پر فائز اور امور مملکت کا مالک ہوا۔ کیونکہ آمر قتل کیا گیا اور اس نے کوئی لڑکا نہیں چھوڑا بلکہ ایک حاملہ بیوی چھوڑی تھی۔ اس بات سے اہل مصر بہت پریشان ہوتے اور انھوں نے کہا کہ اس خاندان میں کوئی شخص بھی ایسا فوت نہیں ہوا جس نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا ہو اور اس پر امامت کی نص نہ کی ہو۔ آمر نے ہونے والے بچے کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا لیکن اس کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوئی چنانچہ لوگوں نے حافظ کو خلیفہ مان لیا اور امامت آمر کی نسل سے نکل گئی" (۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آمر کو یقین تھا کہ ہونے والا بچہ لڑکا ہو گا چنانچہ اس نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی اسے خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس نے صلیحی ملکہ اروی کو اس سلسلے میں خط بھی لکھا تھا اور متوقع بچے کو طیب کے نام سے یاد کیا تھا۔ لہٰذا اروی نے حافظ کی خلافت کو غیر قانونی سمجھا۔ اس نے مصری خلافت سے آزادی کا اعلان کر دیا اور ۵۳۲ھ/۱۱۳۸ء میں اپنی موت تک وہ طیبی دعوت کی اشاعت کرتی رہی۔ اس کی وفات کے باعث دعوت طیبیہ کمزور پڑ گئی اور کافی مدت بعد یہ دعوت ہندوستان میں منتقل ہو گئی یہاں اس کے حامی

---

(۱) النجوم الزاہرہ جلد ۵ صفحہ ۲۳۳-۲۴۰ مطبوعہ دارالکتب المصریہ قاہرہ ۱۹۳۵ء

بوہرے کہلاتے ہیں۔

اب ہم پھر حسن کی طرف لوٹتے ہیں حسن مستعلی کے بجائے نزار کا حامی تھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا ہے حسن نے اسماعیلی مذہب مادی یا سیاسی مفادات کی خاطر اختیار نہیں کیا تھا جو وہ ارباب اقتدار کے لطف و کرم کے حصول کا راستہ اختیار کرتا۔ اگر حسن اس قسم کی خواہشیں رکھتا تو اسے عباسی سلطنت میں ہی بڑے مواقع حاصل تھے، اس کے برعکس اس نے اسماعیلی مذہب اس یقین کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ نجات کا راستہ اور خدا کی خوشنودی کا ذریعہ یہی مذہب تھا حسن بدرالجمالی کی سیاست پر معترض ہوا اور اس کی سرگرمیوں کو مذموم قرار دیا۔ اس کی توقع یہ تھی کہ فاطمی سلطنت دعوت کی حفاظت اور اسماعیلی مذہب کی خدمت کرے گی مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ بدرالجمالی نے دعوت کو سیاسی اقتدار کا ذریعہ بنا لیا ہے اور وہ مذہب کو اپنی سیاسی اغراض کے لیے استعمال کر رہا ہے تو حسن اس کے خلاف ہو گیا بدرالجمالی کو حسن پر مستنصر کا لطف و کرم ناپسند تھا چنانچہ اس نے حسن کو قید کر دیا اور پھر مصر سے نکال دیا۔ سلطان ملک شاہ کے نام حسن کا مکتوب جو پچھلے باب میں پیش کیا گیا ہے ظاہر کرتا ہے کہ وزیر نظام الملک بدرالجمالی سے رابطہ رکھتا تھا اور بدرالجمالی نے نظام الملک سے حسن کو قتل کرا دینے کی خواہش کی تھی لیکن بدرالجمالی خلیفہ مستنصر کی حسن نوازی میں خلل نہ ڈال سکا بہرحال وہ حسن کو مصر سے نکال کر اسے اس کے دشمنوں کے علاقوں میں بھیج دینے میں کامیاب ہو گیا کہ وہاں کے لوگ حسن کے ساتھ بدرالجمالی کے حسب خواہش سلوک کریں۔

بدرالجمالی نے حسن کو دمیاط میں قید کیا تھا اور اپنے اس عمل سے اس نے حسن ایسے خیالات رکھنے والوں پر یہ ظاہر کر دیا تھا کہ سیاسی اقتدار مذہبی معاملات سے اہم تر ہے۔ مصر میں مخلص اسماعیلیوں کے خیال میں بدرالجمالی کا یہ اقدام دعوت اور خلافت دونوں کے لیے ایک کاری ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب حسن کے قید خانے کا ایک حصہ منہدم ہوا تو اسماعیلی بزرگوں نے اس واقعے کو امام مستنصر کے معجزے اور ان کے داعی حسن کی کرامات سے تعبیر کیا (۱)

بدرالجمالی

بدرالجمالی ایک آرمینی غلام تھا جسے جمال الدولہ ابن عمار نے خرید لیا اور اس کی پرورش و پرداخت کی۔ بدرالجمالی معدودے چند غیر معمولی شخصیتوں میں سے ایک تھا خلیفہ مستنصر نے شام کے شہر عکہ میں اسے اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا جب مصر میں حالات ابتر ہوئے تو مستنصر نے اسے اس کی صلاحیتوں کی بنا پر مصر بلا لیا۔ بدرالجمالی جمادی الاول ۴۶۶ھ / ۱۰۷۴ء میں چہار شنبہ کی شام کو قاہرہ پہنچا۔ خلیفہ مستنصر نے اسے انتظامیہ کا سربراہ مقرر کیا اور اس نے اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ ملک میں امن اور خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا۔ مستنصر نے اس کو وزیر اعظم اور سپہ سالار اعلیٰ کے عہدوں پر فائز کر دیا۔ کچھ دن بعد بدرالجمالی عدلیہ اور دعوت کے امور کا نگراں بنا دیا گیا۔ جب حسن بن صباح مصر آیا اور بدرالجمالی کو اس کی علمیت، ذہانت، قوت فیصلہ اور دوسری صلاحیتوں کی اطلاع ہوئی

---

(۱) فصلی از جامع التواریخ ص

تو وہ خوف زدہ ہوا کہ کہیں حسن دعوت کے معاملات میں اس کا حریف نہ بن جائے۔ کیونکہ بہرحال حسن اس معاملے میں اس پر فوقیت رکھتا تھا۔ بدرالجمالی دعوت کو موجودہ سیاسی اور مذہبی حکمت عملی میں تبدیلی لانے کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا اور وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب بھی ہوگیا۔ بدرالجمالی ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء میں وفات پاگیا۔ اس کی موت سے پہلے ہی اس کا بیٹا افضل جو مستعلی کا خسر بھی تھا وزارت کے عہدے پر فائز ہوچکا تھا۔

حسن کی مصر سے روانگی

قید خانے کی دیوار منہدم ہونے پر حسن قید خانے سے نکل گیا تو بدرالجمالی نے مغرب کی طرف اس کی جلاوطنی کے احکام جاری کردیے ۴۷۲ھ ۱۰۷۹ء میں حسن کو اسکندریہ کی بندرگاہ سے جہاز پر سوار کرا دیا گیا۔ ساحل چھوڑتے ہی جہاز طوفان میں گھر گیا۔ مسافروں پر خوف طاری ہوگیا۔ مگر حسن اسی طرح سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ مسافروں میں سے کسی نے اس اطمینان کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میرے امام مستنصر نے مجھے اس واقعہ کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ ڈرنا نہیں تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ اس لیے مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ آخر جہاز ساحل پر پہنچ گیا (۱) اس وقت جہاز کے تمام مسافر فرطِ مسرّت سے اس کے قدموں میں گر پڑے اور اس کے قدم چومتے ہوئے اس کی دعاؤں کے طالب ہوئے۔ آخر یہ پورا گروہ اس کے مذہب میں شامل ہوگیا۔

جو لوگ روح کے وجود پر یقین نہیں رکھتے اور نہ اس کی پوشیدہ قوتوں کے قائل ہیں وہ جب یہ سنتے ہیں کہ حسن کی وجہ سے جہاز ڈوبنے

---

(۱) فصلی از جامع التواریخ ص۔۔۔

سے بچ گیا تھا تو وہ اسے فریب سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جو شخص روح کے وجود اور اس کی قوت کی وسعت پر یقین رکھتا ہے وہ حسن کی ایسی پیش گوئیوں کی مادہ پرستانہ توجیہہ نہیں کرتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ رسول اللہ کے ارشاد کے مطابق "مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" (اتقوا فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ) انسانی قوتیں لامحدود ہیں جو کچھ حدود ہیں وہ اس کی جسمانی ساخت کی بنا پر ہیں جو اس کے حواس کی قوتوں کو اس کی شعوری حالت میں محدود کر دیتی ہیں غیر شعوری حالت میں یعنی نیند میں وہ آنکھوں کانوں وغیرہ کے جسمانی وسائل کے بغیر دیکھ سکتا ہے سونگھ سکتا ہے۔

جہاں تک مادے کا تعلق ہے تو لطیف تر طاقتور ہوتا ہے مثلاً بخارات جو پانی کے مقابلے میں روحانی سطح سے قریب تر ہوتے ہیں اور اپنے اثر میں اس سے طاقتور تر ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان روحانی دنیا کی طرف اپنی کامل تندہی کی بنا پر روحانی طور پر وسیع تر ہوجاتا ہے اور بلند تر نفس اور روحانی قوتیں حاصل کرلیتا ہے یہاں تک کہ وہ تمام اشیاء پر چھا جاتا ہے۔ رسول اللہ کی یہ حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا کہ " مازال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احب فاذا احببتہ اکون عینہ الذی ینظر بہا ولسانہ الذی یتکلم بہ ویدہ التی یبطش بہا یعنی" میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس جب میں نے اس سے محبت کی تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے" ایک اور حدیث قدسی ہے کہ " انی انا اللہ اذا قلتُ لشی کن فیکون" یعنی "بے شک

میں ہی اللہ اور معبود برحق ہوں جب میں کسی "چیز کو کہتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے"۔ اس کے علاوہ قرآن کی ایک اور آیت انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ قرار دیتی ہے لہذا یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ انسان بلند ترین روحانی قوتوں کا حامل ہو سکتا ہے۔ جدید ترین ماہرین نفسیات انسان کے بارے میں اس حقیقت سے واقف ہیں اس کے علاوہ یہ کہ کبھی کبھی نفسیاتی طور پر بیمار لوگ بھی غیب بینی کی قوتوں کے حامل ہوتے ہیں اور مستقبل کو دیکھ سکتے ہیں۔ انسان کی قوتیں بیان کرتے ہوئے حضرت علی نے فرمایا ہے کہ

دواءك فيك وما تبصر ... وداءك منك وما تشعر
أتزعم انك جرم صغير ... وفيك انطوى العالم الاكبر
وانت الكتاب المبين الذي ... بآياته يظهر المضمر

یعنی "تیری دوا تجھ ہی میں ہے مگر تو نہیں دیکھتا۔ تو ہی اپنے مرض کی علت ہے مگر تجھے شعور نہیں۔ کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جب کہ تیرے اندر ایک عالم اکبر پوشیدہ ہے تو وہ کتاب ہے جس کی آیت سے پوشیدہ عیاں ہو جاتا ہے"۔

چنانچہ روحانی انسان مستقبل بینی کی قوت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا حسن بن صباح روحانی قوتوں کا حامل تھا اور کیا اس کی پیش گوئی انھیں قوتوں کا نتیجہ تھی یا پھر یہ سب کچھ اس کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ پیش گوئی ایک اتفاقی اندازہ تھی چونکہ مستقبل پر اس کا یقین اتنا ہی گہرا تھا جتنا حال پر۔ اس لیے اس کی پیش گوئی "قیاس آرائی" کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔

امام مستنصر باللہ[2] کی توجہ حاصل کرنے کے بعد حسن کے ذہن پر یہ خیال غالب ہو گیا کہ وہ ایک مخصوص مقصد کی تکمیل کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اسماعیلی مذہب اور نزار کے حقدار خلافت ہونے پر اس کو

اتنا یقین تھا کہ وہ یہ خیال کرتا تھا جیسے وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے بغیر نہیں مرے گا۔ چنانچہ اس میں انتہائی خود اعتمادی پیدا ہو گئی اس کے علاوہ یہ کہ اس کی کامیابی کا راز یعنی اس کے حامیوں کی نظر میں اس کی عظیم حیثیت اس بات کا ثبوت ہے کہ حسن بلند تر روحانی قوتوں کا حامل تھا۔

طوفانی ہواؤں نے حسن کے جہاز کو شام کے ساحل پر لا ڈالا اور حسن عکہ کی بندرگاہ پر اتر گیا۔ اس کے بعد وہ بہت سے شہروں اور ملکوں میں گیا اور وہاں کی معاشی سماجی اور مذہبی صورت حال کا جائزہ لیا۔ اس نے ان علاقوں کے لوگوں کو امام مستنصر کی امامت قبول کرنے کی دعوت دی اور اسماعیلی مذہب کی اشاعت میں مصروف رہا۔ وہ ۴۷۳ھ ۱۰۸۰ء میں اصفہان پہنچا اور یزد، کرمان، طبرستان، دامغان اور ایران کے دوسرے علاقوں میں دعوت کی اشاعت پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ کچھ مدت بعد اس نے قزوین جا کر قلعہ الموت کے اطراف کا جائزہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ حسن نے قلعے کے محافظ کو اسماعیلی مذہب کی دعوت دی اور اس نے قبول کر لی۔ اور اس محافظ نے ۴۸۳ھ میں حسن کی خواہش پر قلعہ الموت اس کے حوالے کر دیا (۱) اس وقت یہ قلعہ بہت بری حالت میں تھا۔ اس کے چاروں طرف دلدل

---

(۱) تاریخ جہانگشا اور جامع التواریخ میں ہے کہ الموت اصل میں الہ اموت تھا۔ الہ اموت کے معنی "آشیانۂ عقاب" ہیں۔ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۳۱۶ میں لکھا ہے کہ الہ اموت کے معنی "تعلیم العقاب" ہیں۔ تاریخ جہانگشا اور جامع التواریخ میں لکھا ہے کہ "یہ ایک نادر اتفاق ہے کہ الہ اموت کے عدد ۴۸۳ ہیں اور ۴۸۳ھ ہی میں حسن صباح الموت میں داخل ہوا۔" تاریخ جہانگشا جلد سوم ص ۱۹۴ فصل از جامع التواریخ ص ۱۱۱

تھی اور ماحول بہت دہشتناک تھا۔ حسن نے پہلا کام یہ کیا کہ قلعے کو ازسرِنو تعمیر کرایا۔ اس میں نہریں کھدوائیں انواع و اقسام کے بار آور درخت اور خوشبو دار پھولوں کی کیاریاں لگوائیں۔ اناج ترکاری اور مویشیوں کے چارے کی کاشت کا انتظام کرایا اور وسیع و عریض باغ لگوائے۔ مختصر یہ کہ حسن نے اس علاقے کو زمین پر ایک جنت کی شکل دے دی۔ جس میں اس کے حامی پھلتے پھولتے تھے۔

حسن نے مصر کے سفر سے بہت فائدہ اٹھایا۔ مصر کے حالات نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ فاطمی خلفا کے بارے میں اپنے اندازے بدل دے پہلے وہ خیال کرتا تھا کہ دعوت کی کامیابی نے خلافت کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا ہے۔ اس کے خیال میں خلیفہ کی حیثیت بلند تر ہو گئی تھی اور فاطمی سلطنت میں اسماعیلی جماعت آرام و آسائش کی زندگی گزار رہی تھی۔

حسن کی آنکھوں پر سے جیسے پردے اٹھ گئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ خلافت بہت کمزور ہو گئی ہے اور سلطنت کے معاملات ان وزیروں اور امیروں کے ہاتھ میں ہیں جو اسماعیلی عقیدے کے دشمن ہیں۔ آمرانہ حکومت کرتے ہیں اور جس چیز پر ہاتھ پڑ جاتا ہے اسے ہتھیا لیتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ عوام کے معاشی اور سماجی حالات دگرگوں ہیں۔ چنانچہ اس نے غور و فکر کیا اور حالات کو بہتر بنانے کے طریقوں پر سوچنا شروع کیا۔ اس نے ایک مفصل منصوبہ بنایا جسے اس نے الموت میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ امام کی قیادت میں ایک مکمل اسماعیلی ریاست ہو جس میں صرف اسماعیلی آباد ہوں جیسا کہ اس سے پہلے دورِ ستر کے داعیوں نے چاہا تھا۔

حصہ سوم

قرامطہ اور نزاریہ

[illegible]ھ میں کوفے کے دیہاتیوں نے حمدان بن اشعث قرمط کے ہاتھوں اسماعیلی مذہب اختیار کیا۔ حمدان، داعی حسین اہوازی کا نمائندہ تھا جسے عبداللہ ابن میمون یا اس کے بیٹے احمد نے اسماعیلی دعوت کی اشاعت کی غرض سے کوفے میں بھیجا تھا۔ یہ لوگ یقین رکھتے تھے کہ مہدی کا ظہور ہو گا اور وہ دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح معمور کر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔

کوفے کے نواح میں اسماعیلی مذہب پھیل گیا اور حمدان قرمط نے وہاں ایک ریاست کی بنیاد ڈالی۔ مہتم آباد نام کا گاؤں اسماعیلیوں کی پناہ گاہ کے طور پر منتخب ہوا۔ پہلا ٹیکس جو لگایا گیا وہ ایک درہم فی کس تھا۔ اس کو فطرہ کہا جاتا تھا۔ لوگوں نے حمدان قرمط کے اس ٹیکس کو قبول کر لیا۔ کچھ مدت کے بعد قرمط نے ہجرۃ کے نام سے ایک اور ٹیکس لگایا یعنی ہر بالغ شخص پر ایک دینار۔ اس اقدام کے جواز میں اس نے قرآن کی اس آیت کا حوالہ دیا" خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۹/۱۰۳ یعنی" ان کے مالوں سے صدقہ لو تاکہ تم ان کو اس صدقے کی وجہ سے پاک کرو اور ان کے لیے نزول رحمت کی دعا کرو بیشک تمہاری

نزول رحمت کی دعا ان کے لیے سکون کا باعث ہے اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے (اور نیتوں کو) جاننے والا ہے۔" حمدان نے ان سے کہا کہ یہ اس کی تاویل ہے۔ اس کے پیروؤں نے اسے یہ ٹیکس ادا کیا اور اس کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ پھر اس نے بلغہ کے نام سے ایک اور ٹیکس لگایا جو سات دینار فی کس تھا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ یہ بلغہ ہی وہ برہان ہے جو خدا کے اس قول میں مراد ہے "قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" ۲/۱۱۱ یعنی اگر تم سچے ہو تو اپنی صداقت پر دلیل و برہان پیش کرو۔" اس نے کہا کہ اس ٹیکس کا ادا کرنے والا وہ ہوگا جو مذہب سے گہری وابستگی رکھتا ہے اور ان سابقین میں شامل ہونا چاہتا ہے جن کا ذکر خدا نے اس آیت میں کیا ہے وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۵۶/۱۰-۱۱ یعنی" عمل میں سبقت لے جانے والے انعام میں بھی سابق ہیں اور وہی مقربینِ بارگاہ خداوندی ہیں" اس کے بعد حمدان نے مٹھائی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے اور ان لوگوں کو رحمتوں کی بشارت کے طور پر دیے جنھوں نے اسے سات دینار ادا کیے۔ اس نے ان کو بتایا کہ یہ اہل جنت کی غذا ہے جو امام پر اتاری گئی ہے، وہ ان مٹھائی کے ٹکڑوں یا نُقل میں سے ہر ایک داعی کو سَو نقل بھیجتا اور ان سے اس کے بدلے میں سات سو دینار کا مطالبہ کرتا۔

جب حمدان قرمط کا اقتدار استوار ہو گیا تو اس نے ہر شخص کی ملکیت کا پانچواں حصہ لے لیا اور جواز میں قرآن کی یہ آیت پیش کی وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ ۸/۴۱ یعنی" جان لو کہ اگر تمہیں کوئی آمدنی ہوتی ہے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کا ہے،" لوگوں نے اپنی ملکیت کی قیمت معین

کرائی اور اس کے پانچویں حصے کے بقدر روپیہ قرمط کو دے دیا۔ عورتیں بھی جو کچھ بنتی تھیں اس کی آمدنی کا پانچواں حصہ ادا کرتی تھیں۔

اس کے بعد اس نے ان پر الفت لازم کی جس کے بموجب ان سب نے اپنی تمام دولت یکجا کر دی تاکہ مکمل مساوات ہو جائے کسی کو اپنے ساتھی یا بھائی پر اس کے مال و دولت اور ملکیت کی وجہ سے کوئی فضیلت نہ ہو اور یہ آیت تلاوت کی وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۳/۱۰۳ یعنی" تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ اتحاد و الفت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت و الفت پیدا کر دی اور تم اس کی اس نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے۔" اور یہ آیت بھی تلاوت کی۔ وَلَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۸/۶۳ یعنی" اگر تم زمین کے خزانوں اور جملہ مال و دولت کو بھی خرچ کر دو تب بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کر سکو گے لیکن اللہ نے ان کے درمیان آپس میں محبت پیدا کر دی بیشک وہ بڑا غالب اور باحکمت ہے۔" حمدان قرمط نے انھیں یقین دلایا کہ تمہیں تمہارے اس مال و دولت کی جو تمہارے پاس ہے کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ ساری زمین بلا شرکت غیرے عنقریب تمہاری ہو جائے گی۔ اور یہ بھی کہا کہ یہ تمہاری آزمائش کا دور ہے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ تم کیا کرتے ہو اور آزمائش میں پورے اترتے ہو یا نہیں۔ اور ان سے اسلحہ سازو سامان جنگ خریدنے اور جمع کرنے کا مطالبہ کیا۔ سب

کچھ ۲۷۶ھ/۸۸۹ء میں ہو رہا تھا۔
داعی کسی معتبر آدمی کو ہر گاؤں میں مقرر کر دیتے تھے اور تمام باشندوں کی املاک اس کے پاس جمع کر دی جاتیں۔ ان املاک میں مویشی، زیور اور دوسری اشیا ہوتی تھیں۔ داعی کا مقرر کردہ شخص تمام لوگوں کے لیے لباس مہیا کرتا اور تمام باشندوں پر ان کی ضرورت کے مطابق صرف کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے معاشرے سے غریب، ضرورتمند اور کمزور و بیمار ناپید ہو گئے۔ عورتیں کپڑا بن کے کماتیں اور بچے بعض اوقات صرف کھیتوں سے چڑیاں اڑا کر ہی کچھ نہ کچھ کما لیتے۔ ہر شخص جوش اور جذبے کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہتا۔ وہ املاک کے ناظم کو بخوشی اپنی تمام ملکیت سونپ دیتے یہاں تک کہ ان کے پاس تلوار کے سوا کچھ نہ رہتا۔ اس کے بعد داعی کہتا تھا کہ صداقت کی پہچان افضل ترین شے ہے اور یہ پہچان امام مہدی محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے ماننے میں ہے۔ داعی یہ بھی کہتا تھا کہ اس کی لی ہوئی بیعت امام کے لیے ہے۔ جب حمدان قرمط نے اپنا کام مکمل کر لیا تو اس نے بہت سے مقامات پر اپنے نمایندے بھیجے شلاً یمن میں ابن ابی الفوارس کو، بحرین میں ابو سعید حسن بن بہرام جنابی کو۔ ان سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں حمدان قرمط کی کوفی ریاست کے نمونے پر ریاستیں قائم کریں جن کی بنیاد نظام الفت پر ہو۔ ان تمام معاملات کا تفصیلی بیان ناصر خسرو کے سفرنامے میں موجود ہے۔
حمدان قرمط اور اس کا شاگرد عبدان ۲۹۶ھ/۹۰۸ء تک فاطمی دعوت کے حامی اور دوست رہے۔ اس سال انہوں نے عبید اللہ المہدی سے اپنا تعلق توڑ لیا اور اس کے مہدی برحق ہونے سے انکار

کردیا۔ ان کا خیال تھا کہ مہدی برحق محمد بن اسماعیل تھے جن کا امام عصر کے طور پر انتظار تھا۔ وہ عبیداللہ المہدی کی اس دلیل کو نہیں مانتے تھے کہ جس مہدی کا انتظار تھا وہ محمد بن اسماعیل نہیں بلکہ ان کی نسل سے کوئی شخص ہوگا اس کے باوجود کہ محمد بن اسماعیل وہ امام تھے جو غائب ہو گئے تھے اور اس لیے ان کو محمد المکتوم کہا جاتا ہے۔ عبیداللہ المہدی کا کہنا تھا کہ محمد بن اسماعیل نے ۱۹۷ھ/۸۱۲ء میں وفات پائی اور امام عبداللہ جنھیں وفی احمد بھی کہا جاتا ہے ان کے جانشین ہوئے۔ امام عبداللہ نے اپنے بیٹے احمد الملقب بہ تقی محمد کو اپنا جانشین ٹھہرایا۔ تقی محمد کے جانشین ان کے بیٹے امام حسین الملقب بہ عبداللہ الرضی ہوئے۔ آخرالذکر نے امامت اپنے بیٹے عبیداللہ المہدی کو سونپی۔ یہ امام زمانہ ستر کے امام کہلاتے ہیں۔ ستر کا زمانہ محمد بن اسماعیل سے شروع ہو کر مہدی کے ظہور تک رہا۔ حمدان اور عبدان ان دلائل سے مطمئن نہ تھے۔ وہ اس ناگہانی تبدیلی پر راضی نہ ہوئے کیونکہ اس سے دعوت کے سلسلے میں ان کی حیثیت مشکوک ہو جاتی تھی وہ اس لیے کہ انھوں نے اب تک محمد بن اسماعیل کے نام پر لوگوں میں دعوت کی اشاعت کی تھی اور اب یکایک دعوت کو عبیداللہ المہدی سے منسوب کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا تھا کیونکہ لوگ اس نام سے اچھی طرح واقف بھی نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی کوفی دعوت کو فاطمی دعوت سے علیحدہ کر لیا اور اپنے داعیوں کو اس امر سے مطلع کر دیا۔ وہ داعی جو ہم خیال تھے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے الگ ہو گئے۔ ایسا کرنے والوں میں یمن والے ابن حوشب کا ساتھی علی ابن فضل بھی تھا جس نے اپنے نام پر دعوت قائم کی اور بہت سے

مظالم کا مرتکب ہوا حتیٰ کہ مرگیا۔ ایسا ہی ایک اور شخص ابو سعید جنابی تھا جو فاطمی دعوت سے الگ ہو گیا لیکن محمد بن اسماعیل کی مہدویت کا قائل رہا۔ وہ اس طرح اپنے آپ کو آزادانہ قائم رکھنا چاہتا تھا کہ حکومت اپنی اولاد کو منتقل کر سکے۔ اس نے احسار، قطیف، بحرین اور ان کے نواحی علاقوں میں اپنی تبلیغی اور اشاعتی کوششوں کو بہت تیز کر دیا۔ بعد میں آنے والے اثنا عشری داعیوں نے انھیں خیالات وعقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان علاقوں کے لوگوں کو بڑی آسانی سے اپنا ہم خیال بنا لیا کیونکہ بحرین کے لوگوں کے ذہنوں میں مہدی کا تصور پہلے ہی سے راسخ تھا۔ یہ تصوّر اثنا عشری شیعوں کا بنیادی اصول ہے۔ پھر یہ کہ دونوں فرقوں میں مہدی کا نام محمد تھا۔ اس بنا پر ان علاقوں کی تمام آبادی بہت آسانی سے اثنا عشری ہو گئی جب کہ ان کے عادات وخصائل آج تک قرامطہ سے مشابہ ہیں۔ مختصر یہ کہ عبید اللہ المہدی کی مہدویت حمدان قرامطہ اور عبدان کے لیے مشتبہ تھی اور انھوں نے اسے تسلیم نہ کیا۔

اس اشتباہ اور غلط فہمی کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ محمد بن اسماعیل کے وقت سے ظہور مہدی کے وقت تک اماموں کے معاملے میں شدید ترین رازداری برتی جاتی تھی یہاں تک کہ بعض اوقات داعی اماموں کا بھیس بدل لیتے تھے اور ان کے نام اختیار کر لیتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اماموں کی شخصیت انتہائی شدید راز رہی۔ صرف چند دعاۃ امام سے قرب رکھتے تھے اور اس کو شناخت کر سکتے تھے۔ چنانچہ مختلف مراکز میں بعض دعاۃ امام کے نام کے بارے میں

مختلف رائیں رکھتے تھے اور انھیں واضح طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ امام کون ہیں۔ جہاں تک نئے اسماعیلیوں کا تعلق ہے وہ اس داعی کے سوا کسی کو نہیں جانتے تھے جن کے ہاتھ پر انھوں نے بیعت کی تھی۔ سلمیہ اور مختلف مراکز کے درمیان خط وکتابت بھی داعی الدعاۃ کرتے تھے امام کسی بھی حالت میں دعوت کے سربراہوں سے براہ راست تعلق نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ ممکن نہ تھا کہ امامت کا معاملہ کوفے کے قرمطی کسانوں کی سمجھ میں آ سکتا۔ اسی بنا پر وہ محمد بن اسماعیل کو مہدی منتظر مانتے رہے۔ چنانچہ جب حمدان اور عبدان کو عبید اللہ کی مہدویت کے بارے میں بتایا گیا تو وہ بہت متعجب ہوئے اور اس ناگہانی تبدیلی کا پس منظر سمجھنے سے قاصر رہے۔ قرامطہ کی غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ مہدی کی حکومت میں سیاسی اختلافات موجود تھے۔ مہدی ایک ایسی حکمت عملی پر عمل پیرا تھا جو مختلف مذہبی نظاموں اور سیاسی عقیدوں کی طرف رواداری پر مبنی تھی جب کہ سابق داعیوں کے ذہن میں ایک مکمل اسماعیلی حکومت تھی جس میں اسماعیلی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب نہ ہو۔ وہ ظاہر کے خلاف باطن پر زور دیتے تھے اور اجتماعی ملکیت اور مساوات کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے۔ مثال کے طور پر مہتم آباد کوفے کے نواحی علاقے میں حمدان قرمط کی حکومت یا احسار میں ابو سعید کی ریاست۔ ناصر خسرو اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ "احسار ایک شہر بھی ہے اور ایک ملک بھی۔ اس میں ایک قلعہ ہے جو اینٹوں کی چار مضبوط دیواروں سے گھرا ہوا ہے ان میں سے ہر دیوار ایک دوسرے سے ایک فرسنگ کے فاصلے

پر ہے۔ شہر میں پانی کے بڑے بڑے چشمے تھے اور یہاں کے لوگ خود کو ابو سعید جنابی کی نسبت سے ابو سعیدیین کہتے تھے، وہ نہ تو نماز پڑھتے تھے اور نہ روزہ رکھتے تھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل تھے اور ابو سعید جنابی کے ظہور کے منتظر تھے جس کو وہ اپنا مہدی مانتے تھے۔ ملک کی دولت حکومت کے قبضے میں تھی جو تمام باشندوں کی خوراک اور پوشش پر صرف ہوتی تھی۔ حکومت ہر فرد کی اہلیت کے مطابق اسے کام سونپتی تھی اور زراعت اور شہر کی تعمیر وغیرہ کی نگرانی کرتی تھی۔"

یہ صورت حال ہمیں حضرت علی کے زمانے کے شیعوں کی یاد دلاتی ہے جو رسولؐ کے دیندار صحابی ابوذر غفاری کی رہنمائی میں اشتراکیت کے قائل تھے۔ حضرت ابوذر خلیفہ عثمان کے زمانے میں مسجدوں میں جلسے کرتے تھے اور دولت مندوں پر لعن طعن کرتے تھے کہ وہ خدا کے نام پر اپنی دولت نہیں صرف کرتے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ امیروں اور غریبوں میں مساوات قائم ہو۔ وہ دولت مندوں کو قرآن کی اس آیت کے حوالے سے ڈراتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ($\frac{۹}{۳۴-۳۵}$) یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور ان کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دو اور ان کو خبردار کر دو کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ جب ان کا جمع کیا ہوا سونا چاندی دوزخ کی آگ میں گرم کیا اور تپایا جائے گا اور اس گرم اور تپتے ہوئے سونے چاندی سے

ان کی پیشانیوں اور بازوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے مزہ صرف اپنی ذات کے لیے مال و دولت جمع کرنے کا۔ اب جمع کرنے اور خزانے بنانے کا مزہ چکھتے رہو۔"

حضرت ابوذر آخرکار بنوامیہ کے مظالم سہہ کر وفات پا گئے۔

جب حسن ابن علی اپنے مخالف معاویہ کے حق میں دست بردار ہوئے تو کچھ شیعوں کو یہ بات ناگوار ہوئی۔

انہوں نے حسن ابن علی کو ملزم ٹھہرایا اور انہیں مومنوں کی تذلیل کرنے والا قرار دیا۔ یہ لوگ امام حسین کے گرد جمع ہو گئے اور معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کیا۔ بعض دوسرے شیعوں نے معاویہ اور حسن دونوں کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب یزید ابن معاویہ خلیفہ ہوا تو وہ باغی ہو گئے اور ان کی مسلح بغاوت کو شکست ہوئی۔ چنانچہ وہ لوگ چھپ گئے اور پوشیدہ تنظیمیں قائم کریں۔ انہوں نے اپنے داعی بنوامیہ کی سلطنت کے تمام علاقوں میں بطور خاص ایران میں بھیجے۔

بنوامیہ کے خلاف یہ خفیہ تحریک اس لیے مضبوط تر ہوتی چلی گئی کہ بنوامیہ غیرعرب مسلمانوں اور عرب مسلمانوں میں فرق کرتے تھے۔ ان کے معاشرے میں غیرعرب اپنی تہذیبی برتری کے باوجود عربوں کے برابر نہیں سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ غیرعرب مسلمانوں نے اس خفیہ تحریک کا ساتھ دیا۔ یہ تحریک اس قدر مضبوط ہو گئی کہ آخرکار ایرانی سالار ابومسلم خراسانی کی قیادت میں ۱۳۲ھ میں بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ دعوت بنوامیہ کے بجائے بنوہاشم کی حامی تھی لہذا عباسیوں نے صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زمام اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے نہ صرف علویوں کو اقتدار سے دور رکھا بلکہ ان پر مظالم کیے۔

چنانچہ شیعوں نے عباسیوں کے خلاف بھی اسی طرح علم بغاوت بلند کیا جس طرح بنو امیہ کے خلاف کر چکے تھے۔ یہ بغاوت کچل دی گئی اور اس کے رہنما محمد نفس زکیہ قتل ہو گئے اور ان کا سر ۱۴۵ھ / ۷۶۲ء میں عباسی خلیفہ منصور کے سامنے لایا گیا۔ یہ واقعہ علویوں اور ان کے حامیوں کے لیے بنو امیہ کے مظالم سے بھی زیادہ شدید مظالم کے عہد کی پیش گوئی بن گیا۔

امام جعفر صادق کی وفات کے بعد شیعہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ امام جعفر صادق کے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظم کی امامت کا قائل تھا۔ یہ لوگ اثنا عشری شیعہ کہلائے۔ دوسرا گروہ امام جعفر صادق کے بڑے بیٹے اسماعیل کا حامی تھا۔ یہ لوگ اسماعیلی کہلائے۔ موسیٰ کاظم کے ساتھ جانے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو جنگ سے عاجز آ چکے تھے اور جنہیں فتح کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ وہ ظلم و استبداد کے سامنے جھک گئے اور ان کی شیعت کمزور پڑ گئی۔ وہ موسیٰ کاظم کی عباسیوں کے ساتھ پر امن رہنے کی حکمت عملی کو پسند کرتے تھے۔ حضرت حسن ابن علی کی خلافت سے دست برداری سے پہلے بھی شیعوں کے ایک گروہ نے معاویہ سے مفاہمت کو پسند کیا تھا۔ اس کے برخلاف اسماعیلی صحیح معنی میں حسینؑ کے حامیوں کی طرح انقلابی شیعہ تھے انہوں نے عباسی سلطنت کے خلاف خفیہ تحریک کی بنیاد ڈالی۔ اسماعیل اور ان کے بیٹے محمد کے وقت سے مہدی کے ظہور تک کا زمانہ دور ستر کہلاتا ہے جو اسماعیلیت کی تاریخ کے اہم ادوار میں سے تھا۔ اس زمانے کے داعیوں نے فاطمی حکومت کے قیام کے لیے مضبوط بنیادوں کی تعمیر شروع کی اور آخر کار فاطمی خلافت قائم ہو گئی۔ لیکن جیسے ہی یہ نئی ریاست شروع ہوئی ان کے اتحاد

میں رخنہ پڑ گیا اور وہ اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں بحث و تمحیص کرنے لگے کہ "اِذَا خَرَجَ قَائِمُنَا یَمْلَأُ اللّٰہُ بِہِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّ عَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّ جَوْرًا ـــــ یعنی" جب ہمارا قائم (مہدی) ظاہر ہو گا تو خدا زمین کو عدل و انصاف سے معمور کر دیگا جیسے یہ اب ظلم و جور سے معمور ہے"۔ ایک گروہ اس حدیث کا یہ مفہوم بتاتا تھا کہ علوی خاندان کو برسر اقتدار لانے سے پہلے سماجی اور معاشی حالات کو بہتر بنانا چاہیے تاکہ ایمان لانے والے مذہب کی طرف راجع ہوں اور اپنے درمیان امام کی موجودگی سے مستفید ہو کر برکت دارین حاصل کریں۔ مخالف گروہ کا کہنا تھا کہ یہ انداز نظر مادی زندگی کو روحانی زندگی پر فوقیت دیتا ہے اور یہ کہ رسول اور مومنوں کا راستہ نہیں ہے۔ ان کے خیال میں یہ بات کبھی پہلے سننے میں نہیں آئی تھی کہ خدا اپنے پیغمبر بھیجنے سے پہلے سماجی اور معاشی حالات کو بہتر بنائے تاکہ لوگوں میں مذہب کی قبولیت پیدا ہو۔ خدا نے مختلف قوموں پر اس لیے پیغمبر اتارے تھے کہ وہ انھیں مذہب کا راستہ دکھائیں اور ساتھ ہی سماجی اور معاشی حالات کو بہتر بنائیں۔ خدا فرماتا ہے کہ

"وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۲۸/۷۷

یعنی ان تمام چیزوں کی تلاش اور ان کے حصول کی کوشش کرو جو تمہیں اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائے گا مگر اس کے ساتھ ساتھ دنیوی زندگی کی ترقی کی جو ذمہ داری اور حق ہے اسے فراموش نہ کرو اور جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی دوسروں پر احسان کرو"۔

اس بنا پر پہلے اہلِ بیت کی حکومت کی بنیاد ڈالی جائے اور مہدی کی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

اس طرح داعیوں کے درمیان اپنے لائحہ عمل کے ایک حصے کو دوسرے حصے پر فوقیت دینے کے معاملے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ابو العباس حمدان قرمط، عبدان، علی بن فضل اور ابو سعید جنابی ایسے داعی سماجی اور معاشی حالات کی بہتری کو فاطمی حکومت کے قیام پر ترجیح دیتے تھے جب کہ یمن کے سربراہ ابن حوشب، نسفی، رازی، سجستانی اور دوسرے داعی پہلے گروہ کے برعکس فاطمی حکومت کے قیام کو ہر چیز سے مقدم سمجھتے تھے۔ اختلاف دراصل ترجیحات پر تھا حالانکہ دونوں گروہ امام پر اور اسماعیلی معاشرے کی بہتری پر الگ الگ متفق تھے۔

یہ دونوں گروہ اپنے اپنے انداز نظر میں راسخ ہوتے گئے یہاں تک کہ ان کے درمیان اختلاف کی خلیج ناقابل عبور ہو گئی۔ دونوں گروہوں نے اپنے عقائد کے مطابق ریاستیں قائم کر لیں۔ قرامطہ نے کوفہ، بحرین اور یمن میں اپنی حکومتیں قائم کیں اور ان کے حریف فاطمیوں نے مغرب، یمن اور مصر میں۔ فاطمی قرامطہ کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہے۔ ان کی حکومت مصر میں پھلی پھولی اور ان کا اقتدار دور دور پھیل گیا لیکن بعد میں خلیفہ حاکم کے زمانے میں حمزہ الدروزی کی قیادت میں بعض داعیوں نے خلیفہ حاکم بامر اللہ کو ان لوگوں کے برعکس جو صرف حاکم کی امامت اور خلافت کے قائل تھے الوہیت کا درجہ دیا۔ انھوں نے شام میں قرامطہ سے مشابہ ایک معاشرہ بنایا جو آج بھی اپنی اسی حالت میں قائم ہے۔

مندرجہ بالا باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں اشتراکیت

کی اشاعت سب سے پہلے صحابی رسول ابوذر غفاری نے کی لیکن چونکہ پہلی اشتراکی ریاست حمدان قرمط نے قائم کی اس لیے بعد میں آنے والی تمام اشتراکی تحریکیں اس کے نام سے منسوب ہو گئیں۔ اس کے بعد 'قرمطی' یعنی 'سرخ' مسلمانوں میں اشتراکیت کی علامت بن گیا۔ غالباً موجودہ دور میں اشتراکیت کے لیے لفظ 'سرخ' کا استعمال قرمط ہی سے ماخوذ ہے کیونکہ حمدان اسی نام سے جانا جاتا تھا اور قرمط کا ماخذ قرمز ہے جس کے معنی سرخ ہیں۔ حمدان کو قرمط اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس کا رنگ سرخ تھا۔

حسن بن صباح نے ان تمام تبدیلیوں کا غائر مطالعہ کیا اور ان کے کمزور اور قوی، صادق اور کاذب پہلوؤں کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اس کے خیال میں امام وقت اور شریعت سے روگردانی اختیار کرنے میں قرامطہ غلطی پر تھے اسی طرح وہ دروزیوں کے امام ظاہر کو قبول نہ کرنے اور حاکم کو خدا ماننے کے عقیدے کو سخت ناپسند کرتا تھا لیکن الموت میں نئی ریاست کے قیام کے لیے ان لوگوں کی سماجی اور معاشی اصلاحات کا بہت تفصیلی مطالعہ کیا تھا۔ اس طرح نزاری معاشرہ مخالف اسماعیلی گروہوں کے بہترین پہلوؤں کا جامع تھا۔

حسن حجت امام مستنصر کی حیثیت سے فارس اور خراسان میں

امام مستنصر باللہؑ نے حسن کو خراسان اور فارس میں حجت مقرر کیا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی جانب سے اور ان کے بعد ان کے فرزند نزار کی جانب سے وہاں دعوت کو قائم رکھے۔ چنانچہ حسن نے اپنا منصوبہ مرتب کیا اور فارس، خراسان اور دیلم کے علاقوں

میں جہاں متعدد قلعے واقع تھے داعیوں کو بھیجا۔ اس نے خود بھی داعیوں کے ساتھ امام مستنصر باللہؑ اور ان کے ولی عہد نزار کی دعوت کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں کا دورہ کیا لیکن وہ جانتا تھا کہ فارس میں اسماعیلی ترقی کی راہ میں بہت سے خطرات و مصائب ہیں۔ بطور خاص اس وقت جب نظام الملک اس کی جان کا دشمن تھا۔ نظام الملک نے تمام فارس اور خراسان میں حسن کو گرفتار کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیج رکھے تھے۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ "رے کا رئیس اس زمانے میں ایک شخص ابو مسلم تھا اور وہ نظام الملک کا خسر تھا۔ اس نے حسن بن صباح پر یہ الزام لگایا کہ مصری داعیوں کی ایک جماعت اس کے پاس آئی۔ حسن ابن صباح ڈرا۔ نظام الملک نے ابو مسلم سے کہا کہ یہ شخص (حسن بن صباح) عنقریب عوام الناس کو گمراہ کرے گا تو حسن بن صباح ابو مسلم کے ڈر سے بھاگا، ابو مسلم نے اسے ڈھونڈا تو اس کو نہ پا سکا۔" (۱)

حسن کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ ایسی پناہ گاہیں تلاش کرے جو اسے اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھیں تاکہ وہ اپنے اہم منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اس زمانے میں ایران مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور جاگیروں میں منقسم ہونے کی بنا پر اور اپنی فرسودہ سماجی اور معاشی صورتِ حال کے باعث مہم جو لوگوں کے لیے بہت کشش رکھتا تھا۔ دیلم اور عراق کے درمیان شمال مغربی صوبے میں متعدد ناقابل رسائی دشوار گزار کوہستانی قلعے تھے۔ حسن نے اس صوبے

---

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۱۰، ص ۳۱۶، ص ۳۱۷ بیروت

پر نظر ڈالی اور ان میں سے ہر قلعے کو اسماعیلی دعوت کا مرکز بننے کے قابل پایا۔ نو برس کی بے آرامی مشقت اور جاں فشانی کے بعد آخر کار وہ قلعہ الموت پر قابض ہوا۔ الموت پر حسن کا قبضہ اسماعیلیوں کے لیے نیک شگون ثابت ہوا۔ کیونکہ اس کے بعد ان کو بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں اور انھوں نے متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا جن میں قابل ذکر یہ ہیں اصفہان کے نزدیک شاہ دژ، خلنجان۔ قہستان میں طبس تون، قائن، زوزن، خور اور خوسف۔ ابہر کے نزدیک وسمکوہ۔ مازندران میں استاوند۔ خراسان میں اردہان، گرد کوہ، قلعہ الناذر۔ اراجان کے نزدیک قلعہ الطنبور اور فارس میں قلعہ خلادخان۔

فاطمیوں سے حسن کے اختلافات اور نزاری معاشرے کی تنظیم

حسن نے آٹھویں فاطمی خلیفہ امام مستنصر باللہؑ کی امامت کی اشاعت کی ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء میں امام مستنصر کی وفات پر حسن اور اس کے حامیوں نے مستعلی کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور مستنصر باللہؑ کے جائز جانشین نزار کی جانب سے دعوت دینے لگے (۱)

---

(۱) ابن اثیر لکھتا ہے کہ "جب مستنصر باللہؑ کی وفات ہوئی تو اس کے بعد اس کا بیٹا مستعلی والی ہوا جب کہ مستنصر نے اپنی زندگی میں نزار کو وارث خلافت مقرر کیا تھا۔ مگر (وزیر اعظم) افضل نے اسے برطرف کر دیا اور مستعلی کی بیعت کرائی۔ افضل نے جو نزار کو برطرف کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ مستنصر کے زمانے میں ایک بار افضل باب ذہب سے گھوڑے پر سوار قصر کی دہلیز میں داخل ہوا۔ (باقی نوٹ ص ۱۰۴ پر)

مصر میں اسماعیلیوں کے ایک بڑے گروہ نے حسن کی حمایت کی
جب مستعلی مسندِ خلافت پر متمکن ہوا اور اس نے اپنے بھائی نزار کو مار ڈالا
تو حسن کا ایک حامی نزار کے بیٹے اور وارث علی الہادی کو ایران میں حسن
کے قلعے میں لے آیا۔ حسن بہت خوش ہوا چونکہ اب اسے امید تھی
کہ وہ ایک خالص اسماعیلی ریاست قائم کر سکے گا۔ حسن کو اپنے عقائد
پر مکمل اعتماد تھا اور اس نے اپنے اطراف ایسے لوگ جمع کیے جو اس
کی طرح راسخ العقیدہ تھے جو اپنے مذہب کے دفاع میں جان قربان
کر سکتے تھے اور جو حرص و ہوس سے یکسر پاک تھے۔ وہ اس معاملے
میں بہت کامیاب رہا بطور خاص اس وقت جب اس کے گروہ میں
ملک شاہ اور اس کے والیوں کے بعض ملازم شامل ہو گئے۔ ان
لوگوں نے اس علاقے میں اسماعیلی دعوت کا دائرۂ اثر بڑھانے میں
حسن کی بڑی مدد کی اور حسن کی جماعت کے خلاف سلجوقیوں کی یورشوں
کو ناکام بنا دیا۔ حسن کا ایک ایسا ہی حامی والیٔ رے امیر مظفر تھا
جس کو بعد میں سلجوقیوں نے قتل کر دیا۔

(بقیہ نوٹ ص ۱۰۳ سے آگے) باہر نزار کھڑا تھا اور راستہ تاریک تھا۔ اس
لیے افضل نے اسے نہیں دیکھا۔ نزار نے چلا کر کہا: "او ارمنی کے گھوڑے
سے اتر!" پس افضل کے دل میں اس کی طرف سے کینہ
بیٹھ گیا چنانچہ جب مستنصر کی وفات ہوئی تو افضل نے نزار
کو جانشینی سے ہٹا دیا کہ کہیں اسے نزار سے کوئی ضرر
نہ پہنچے اور مستعلی کی بیعت کر لی۔" (کامل ابن اثیر
جلد ۱۰ ص ۲۳۷، ص ۲۳۸)۔

حسن صرف ایسا عالم ہی نہیں تھا جو محض ایک مذہبی دعوت اور
صوفیانہ تشالیوں تک محدود رہتا یا مذہب کو عملی زندگی سے الگ کر کے
روحانی تجربات میں کھو جاتا۔ حسن صوفیوں کے اس عقیدے کا حامی
نہیں تھا کہ مذہب محض خدا اور بندے کے درمیان ایک تعلق ہے
اور سماجی معاشی اور سیاسی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور
یہ کہ مذہب کا مقصد صرف روح کی لطافت اور روحانی شعور کی حیات
ہے۔ یا یہ کہ مذہب انسان کو آسمانی تمناؤں تشالیوں اور تخیلی دنیاؤں
کی طرف لے جاتا ہے۔ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے اس پر دنیادار اپنے
ذاتی مفاد کے مطابق حکومت کرتے رہیں۔ دراصل حسن باعمل آدمی
تھا اور وہ اپنی جماعت کے لیے روحانی اور مادی سعادت کے لیے
کوشاں تھا۔ اس کے خیال میں مذہب زندگی کے تمام معاملات
میں طاقتور عامل تھا۔ مذہب نہ صرف روح کی طہارت اور علو میں
مدد دے سکتا تھا بلکہ سماجی معاشی اور سیاسی زندگی کو بہتر بنانے
میں بھی ممد و معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ چاہتا تھا کہ حاکم اور
محکوم دونوں ایک ہی معاشرے کے فرد ہوں ایک ہی عقیدے کے پیرو
ہوں اور ان کی تہذیبی معاشی اور سیاسی زندگی میں مشترک عامل حرکت
میں پایا جاتا ہو۔ ہر فرد معاشرے کا ناگزیر رکن ہو اور خود معاشرہ منظم و
متحد ہو۔ اس اصول پر حسن نے اپنے معاشرے کو منظم کیا جو سنہ ۱۰۹۴ء کے
بعد اسماعیلی نزاری جماعت کے نام سے مشہور ہوا۔

حصہ چہارم

حسن کی دینی تعلیمات

قلعہ الموت میں حسن بن صباح نے اپنے معاشرے کے لوگوں کو اسماعیلی تعلیمات دینی شروع کیں۔ حسن نے ان کو اس مذہب کے اصولوں سے آشنا کیا اور ان میں امام معصوم اس کی حجت اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کی اطاعت کا شعور پیدا کیا۔ اس نے انھیں بتایا کہ اسلام توحید کا مذہب ہے اور توحید کے معنی یہ ہیں کہ جماعت کو ایک خدا، حضرت محمد کی رسالت اور امام وقت کی امامت پر یقین ہو۔ خدا نے فرمایا ہے کہ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۴/۵۹ یعنی" اے ایمان لانے والو خدا کی اطاعت کرو اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔" توحید یا خدا کی رسی کا یہی مطلب ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۱۰۳ یعنی "اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ۔" جو لوگ اللہ کی رسی کو مضبوط نہیں پکڑتے وہ خود کو انتشار سے نہیں بچا سکتے۔ جو لوگ خدا کی توحید کے قائل ہیں لیکن محمدؐ کی رسالت کے قائل نہیں ہیں انھیں مسلمان نہیں کہا جا سکتا وہ لوگ جو توحید اور رسالت دونوں کے قائل ہیں مگر امامت کے

منکر ہیں وہ تفرقے کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا نے مذہبی نظام کو تخلیق کائنات کے نظام کی طرح بنایا ہے اس نے سب کے لیے ایک مرکز بنایا ہے جو لوگوں کو فتنہ و فساد سے بچاتا ہے۔ جس طرح اس نے سورج کو نظام شمسی کا مرکز بنایا ہے اسی طرح اس نے امام الوقت کو رسول کے بعد ایک ایسا مرکز قرار دیا ہے جو معاشرے کے نظام کو محفوظ رکھتا ہے۔ خدا نے مذہب پیدا کیا اور اس کی اشاعت کے لیے اپنے پیغمبر کو بھیجا۔ خدا نے مذہبی فیصلے میں عام انسانوں کو شامل نہیں کیا۔ قرآن کہتا ہے "وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ۳۳/۳۶ یعنی کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے اللہ اور رسول کے فیصل کردہ امور میں جن کا تعلق انھیں سے ہو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں جو شخص بھی اللہ کی نافرمانی کرے گا وہ کھلا ہوا گمراہ ہوگا۔" اس سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا نے دین کے معاملات نبیؐ کے انتقال کے بعد بھی لوگوں کے اختیار پر نہیں چھوڑے بلکہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ نبیؐ کے بعد بھی کسی ایسی ہستی کو مقرر کرے جو آنے والی نسلوں پر دین کے اوامر و نواہی کو نافذ کرے اور انھیں امور دین کی تعلیم دے۔

دین معلم صادق کے سوا کسی اور سے حاصل نہیں ہو سکتا اور معلم صادق ہی امام ہے۔ عقلیت پسندوں کے دلائل کے جواب میں حسن نے کہا کہ خدا کی معرفت کے متعلق SEEKER کے لیے دو باتوں میں سے ایک بات ضروری ہے یا تو وہ یہ کہے گا کہ میں باری تعالیٰ کو صرف عقل و نظر سے پہچانتا ہوں اس کے لیے کسی معلم کی ضرورت

نہیں یا یہ کہے گا کہ عقل و نظر کے ساتھ ساتھ معلم صادق کی تعلیم سے مفر نہیں۔ اگر پہلا قول صحیح ہے تو اس قول کا قائل دوسروں کی عقل سے انکار نہیں کرسکتا۔ جب کوئی شخص کسی شے سے انکار کرتا ہے تو اس کے انکار میں اس شے کا علم مضمر ہوتا ہے اور علم تعلیم کی شہادت ہے۔ تعلیم صرف معلم ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے چنانچہ یہ معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ جو شخص کوئی فیصلہ کرتا ہے یا کچھ کہتا ہے وہ اپنی دلیلوں یا دوسروں کی امداد کی بنیاد ہی پر ایسا کرتا ہے۔ اس طرح وہ شخص جو ایمان لاتا ہے۔ وہ اپنی یا کسی دوسرے کی عقل ہی کی بنیاد پر ایسا کرتا ہے۔"

اہل حدیث کے جواب میں حسن نے کہا کہ" اگر تعلیم کی ضرورت کو مان لیا جائے تو معلم کے اوصاف اور معلم صادق کی ضرورت کا سوال پیدا ہوگا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ کوئی بھی معلم قابل قبول ہے وہ مختلف عقائد رکھنے والے معلموں میں سے کسی بھی معلم کی تعلیم سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس کے برعکس جو شخص ہر معلم کے قابل قبول ہونے سے انکار کرتا ہے وہ صرف معلم صادق پر راضی ہوتا ہے۔

اثنا عشریوں کے جواب میں حسن نے کہا کہ" سچے معلم کی ضرورت کو مان لیا جائے تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ معلم کی تلاش میں کامیابی حاصل کی جائے یا ایسا ہے کہ معلم کی شخصیت اور اس کی تعلیمات کے بارے میں مطمئن ہوئے بغیر کسی بھی معلم کی تقلید کی جائے۔ دوسرا سوال خود بخود پہلے کی طرف لے جاتا ہے۔ کوئی شخص رہنما یا ہمسفر کے بغیر سفر نہیں کرسکتا۔" حسن نے کہا کہ" دنیا میں سچائی بھی ہے اور جھوٹ بھی۔ سچائی کا معیار اتحاد ہے اور جھوٹ کا معیار انتشار۔ اتحاد تعلیم ہی کے اصول سے حاصل ہوسکتا ہے

جب کہ تعقل انتشار پھیلاتا ہے۔ تعلیم کا اصول اتفاق رائے کی بنیاد پر ہے جو ہر زمانے میں امام پر یقین سے پیدا ہوتا ہے۔ تعقل مختلف مدارس خیال پیدا کرتا ہے جو اپنے اپنے رہنماؤں کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔" حسن نے مزید کہا کہ" ہم اپنی ضرورتوں کی بنا پر امام کو پہچانتے ہیں اور امام کے ذریعے ہم اپنی ضرورتوں کو پہچانتے ہیں جس طرح خالق کو تخلیق سے پہچانا جاتا ہے۔"

حسن اپنی جماعت کے عام لوگوں کو مذہبی علوم میں زیادہ گہرائی تک جانے سے روکتا تھا بطور خاص مابعد الطبیعات کے سلسلے میں اس طرح وہ نئے داخل ہونے والوں کو علم کلام اور فلسفے کی رقیق تر کتابوں کے مطالعے سے باز رکھتا تھا جب تک کہ مصنف کے عقائد کی صحت نہ ثابت ہو جائے۔ (۱)

یہ تھا ایک مختصر بیان حسن کی مذہبی تعلیمات کا جن کی بنیاد امام وقت کی معرفت اور صرف انھیں سے دین کے علم کا حصول ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" ۵۹/۷ یعنی" رسول تمہیں جن باتوں کے کرنے کا حکم دیں

---

(۱) یہ تعلیمات کتاب الملل والنحل شہرستانی سے نقل کی گئی ہیں۔ شہرستانی نے ان تعلیمات کو حسن کے ایک فارسی رسالے فصول اربعہ کے عربی ترجمے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ شہرستانی لکھتا ہے کہ حسن بن صباح نے فصول اربعہ سے دعوت کا آغاز کیا۔ اس نے فصول اربعہ فارسی میں لکھی تھی میں نے اسے عربی میں منتقل کیا ہے۔" مگر مستشرق ایوانوف نے روضۃ التسلیم انگریزی دیباچے میں لکھا ہے کہ حسن نے کوئی چیز تصنیف نہیں کی۔

ان کو اختیار کرو اور ان پر عمل کرو اور جن سے تمہیں منع کریں ان سے باز رہو"۔ حسن کو یقین تھا کہ اگر مذہب امام کے سوا کسی اور شخص سے حاصل کیا جائے تو انتشار پھیل جائے گا اور یہ انتشار مذہبی اتحاد کو پارہ پارہ کردے گا۔ خدا نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بے تعلق قرار دیا ہے جو مذہبی معاملات میں نزع پیدا کرتے ہیں۔ قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ "اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ $\frac{6}{159}$" یعنی "جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کردیے اور اس لحاظ سے امت کو مختلف فرقوں میں منقسم کردیا اور وہ خود ایک گروہ بن گئے (اے نبیؐ) تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں"۔ حسن خدا اور اس کی صفات کے بارے میں خاموش رہا اس لیے کہ اس کے خیال میں خدا انسانی علم سے بالاتر ہے۔ خدا کے بارے میں حسن کے اصول بہت سادہ تھے اور وہ صرف یہ کہتا تھا کہ "ہمارا خدا وہی ہے جو محمدؐ کا خدا ہے۔ خدا ہی پیغمبروں کو ہدایت کے ساتھ بھیجتا ہے اور پیغمبر اس کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں"۔ حسن ان لوگوں کو چیلنج کرتا ہے جو خدا کے سوال پر تعقل کرتے تھے اور اس کی ذات کو بحث وجدال کا موضوع بناتے تھے۔ حسن کہتا تھا کہ "عقل خدا کی معرفت حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو امت ان انبیاء، رسل و ائمہ سے بے نیاز ہوتی جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے" "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا $\frac{21}{73}$" یعنی "ہم نے ان کو امام بنایا ہے وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے اور ان کو صحیح راستہ بتاتے ہیں"۔

لوگوں نے حسن کی تعلیمات کو ان کی سادگی اور صراحت

کی بنا پر قبول کیا۔ اس کا مذہب پھیل گیا اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کے باوجود اس میں شامل ہوگئی کہ اس کے دشمن مختلف طریقوں سے اس کی مخالفت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حسن کا اثر دور دور پھیل گیا اور اس کے دشمن اس سے ڈرنے لگے۔

حسن نے اپنے لوگوں کی مذہبی تعلیم ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کی سماجی اور معاشی بہبود کی طرف بھی توجہ دی۔ وہ ہر شخص کی استعداد کے مطابق اس سے کام لیتا۔ وہ لوگ جو بہادری میں مانے ہوئے تھے ان کو فوج میں شامل کیا۔ حسن کی فوج کے لوگ فدائین کے نام سے مشہور ہیں۔ علماء کے گروہ میں سے داعی چنے جاتے تھے۔ دوسرے گروہوں میں سے تاجر، مزدور، کسان اور دستکار وغیرہ لیے جاتے تھے۔ جماعت کا ہر طبقہ وہ کام کرتا تھا جو اس کے رجحان کے مطابق ہوتا تھا۔ جماعت دوستی، اخوت اور مساوات کے رشتوں سے بندھی ہوئی تھی یہاں تک کہ ہر فرد معاشرے کا ناگزیر اور ذمہ دار رکن سمجھتا تھا۔ اس بنا پر نزاری معاشرہ ایک متحد گروہ تھا جو طاقتور سے طاقتور دشمن سے ٹکر لے سکتا تھا۔ اس معاشرے نے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کیا، غربت، بیماری اور بیچارگی کو ختم کیا۔ امن، خوشحالی کو عام کردیا۔ اس طرح حسن ایک خالص اسماعیلی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا جو امام کے اقتدار اور حسن کی وزارت کے تحت مثالی اسماعیلی ریاست قرار دی جاسکتی ہے۔

لفظ اساسین اور اس کی اصل

حسن کے پیرو تاریخ میں فدائین یا اساسین کے نام سے مشہور ہیں۔ مورخوں میں لفظ فدائی کی اصل پر اختلاف نہیں ہے

فدا کے معنی ہیں کسی شے کو مال یا دوسرے ذرائع و وسائل صرف کر کے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا۔ البتہ کلمۂ اساسین کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کی اصل حسنیین یعنی حسن کے حامی ہے بعض دوسرے جن میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مرتب بُستانی شامل ہیں کہتے ہیں کہ اس لفظ کی اصل عسّاسین ہے جس کے معنی نگہبان اور محافظین ہیں وہ اپنی اس رائے کی صحت پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حسن کے حامی زمانہ امن میں شہروں کو چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رکھتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ شہنشاہ سے مشتق ہے۔ بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کی اصل حشیش ہے جو ہرے رنگ کی ایک نشہ آور بوٹی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے نظریئے کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ حسن اپنے سپاہیوں کو جوش میں لانے کے لیے حشیش استعمال کراتا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ حسّاسین کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ حساسین کی اصل حسّ ہے جس کے معنی ہیں قتل کے ذریعے راستے سے ہٹادینا۔ اسی مفروضہ اصل سے یوروپی زبانوں کا لفظ (ASSASSIN) مشتق ہے جو صلیبی جنگوں کے بعد استعمال کیا گیا جو اس شخص پر بولا جاتا ہے جو مکرو فریب سے قتل کر ڈالتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ آراء کے علاوہ اور متعدد رائیں ہیں لیکن سب کی سب محض ظن و گمان پر مبنی ہیں۔

حسن کے حامی فدائی اس لیے کہلائے کہ انھوں نے اسماعیلی مذہب کو ختم کردینے کی سلجوقی کوششوں کو ناکام بنانے میں بے مثال عزم و شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ جہاں تک لفظ

(ASSASSINS) کا تعلق ہے میرا خیال یہ ہے کہ اس کی اصل اساسیین ہے حسن کی جماعت کو اساسیین کا نام اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ اساس یعنی امام پر یقین رکھتے تھے۔ اس اصطلاح کی یہ تشریح اس لیے سب سے زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس میں دوراز کار لفظی اشتقاق نہیں ہے۔ اساس کے معنی ہیں امام اور اساسی کے معنی وہ شخص جو امام کا پیرو ہو بالکل اسی طرح جیسے حنفی مالکی یا حنبلی کے معانی ہیں ابوحنیفہ مالک اور حنبل کے پیرو۔ اگر حسن کے حامی حشاشین، عسّاسین یا حسنین یا حسّاسین کے نام سے موسوم کیے گئے تھے تو مشرقی و مغربی مورخین پر یہ بات مشتبہ نہ ہوتی اس لیے کہ مذکورہ کلمات کے معنی واضح ہیں۔ اور شبہ، اخفاء، پوشیدگی پیچیدگی اور حیرت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ان کلمات میں نہ کوئی پیچیدگی ہے اور نہ کوئی نیاپن پھر اشتباہ کی بظاہر کوئی وجہ نہیں بلکہ اگر اس کی دراصل کوئی وجہ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کلمۂ اساس اسماعیلیوں کی مذہبی اصطلاحات میں سے ایک خاص اصطلاح ہے اس لیے مورخ اس کے معنی صحیح صحیح نہ سمجھ سکے اور قیاس آرائیوں میں لگ گئے۔

ہم جانتے ہیں کہ اسماعیلی اپنے مذہب کی مخصوص اصطلاحات اور پراسرار اصول کو راز میں رکھتے تھے اس لیے یہ بات تعجب خیز نہیں کہ اساس کی اصطلاح مورخوں کو معلوم نہ ہوسکی اس بنا پر وہ اس اصطلاح کے معنی واضح نہ کرسکے۔ میرا خیال ہے کہ اگر لوگ اسماعیلی مذہب کا مطالعہ کریں اور اس کی اصطلاحات سے واقفیت حاصل کریں تو یہ معاملہ واضح ہوجائے گا اور وہ ہماری اس رائے

کی صحت کو مان لیں گے۔ ہمارے دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ ناطق اور اساس اسماعیلی مذہب کے بنیادی اصولوں میں شامل ہیں۔ اسماعیلی پیغمبرِ اسلام کو ناطق اور حضرت علیؑ کو اساس قرار دیتے ہیں۔ ناطق اور اساس اسماعیلی نظامِ فکر کے ستون ہیں ان کو عقل اور نفس، قلم اور لوح بھی کہا جاتا ہے۔ ایک مشہور اسماعیلی داعی نسفی نے بِسۡمِ اللّٰہِ کے معنی واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ چار الفاظ پر مشتمل ہے جن کا اشارہ اللہ کے ناموں کی طرف ہے جو حقائق (فلسفہ) کی زبان میں عقل اور نفس ہیں۔ تنزیل (قرآن) کی زبان میں نبیؐ اور امام ہیں اور دعوت کی زبان میں ناطق اور اساس ہیں۔" چنانچہ بسم اللہ میں رحمان اور رحیم کے الفاظ عقل اور نفس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس لئے جیسا حسن نے تعلیم کیا تھا توحید خدا پر محمدؐ کی رسالت پر جو ناطق ہیں اور امام عصر کی امامت پر یقین کا نام ہے جو اساس ہیں۔

مختصر یہ کہ اساس یا امام اسماعیلی عقیدے میں مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسماعیلی علمائے نے امامت اور اساس کے اصول کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کے بعض اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب رسالۃ الامامت میں نیشاپوری نے لکھا ہے کہ "امامت دین کا مرکز ہے اور اس کی اساس ہے اور اس کے اطراف مذہب کے معاملات گردش کرتے ہیں۔ ایمان لانے والوں کی تہذیب معاشرے کی تعمیر اور عقبیٰ کے انعامات و برکات کی ذمہ داری اساس ہی پر ہے۔ شریعت کے بارے میں گفتگو کے ذریعے امامت، توحید اور رسالت کی تعلیم دیتی ہے۔ جب ہم امامت کو دین

کا مرکز اور اساس قرار دیتے ہیں لیکن رسالت پر بات نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ امامت پر یقین کرتے ہی رسالت پر یقین کرنا ضروری ہو جاتا ہے چونکہ جو شخص امام پر ایمان لاتا ہے وہ رسول پر ایمان لا چکا ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں رسالت کے تمام معتقدین امامت پر بھی عقیدہ رکھتے ہوں۔ رسالت کا ثبوت غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جب کہ امامت کا ثبوت ایمان لانے والے مسلمانوں کے لیے ہے۔ دنیا کبھی امام سے خالی نہیں ہوتی جب کہ رسول ایک ہی بار آئے تھے۔ لہٰذا امامت کو ثابت کرنا خود رسالت کا اثبات ہے۔

قاضی نعمان اپنی کتاب اساس التاویل میں لکھتے ہیں کہ "خدا نے اپنی اطاعت کو رسول اور امام کی اطاعت سے وابستہ کر دیا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ "اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ" ۴/۵۹ خدا نے ناطق اور اساس کی اطاعت کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ ناطق سات ہیں آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ۔ باطن کی تفسیر کے لیے ناطق کے بعد اساس آتا ہے۔"

بہرحال اس گفتگو سے واضح ہوا کہ اسماعیلیوں کو اساسین کہنا ان کے عقیدہ اساس کا نتیجہ ہے۔ اس طرح اساسین سے امامیین مراد ہیں۔ لفظ اساسین کی بقیہ تشریحات یقیناً غلط ہیں اور اس غلطی کی وجہ غالباً اس لفظ سے مورخوں کا اجنبی ہونا ہے۔

باطن اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کے دو پہلو ہیں، ظاہر اور باطن، تنزیل مذہب کا ظاہر ہے اور تاویل مذہب کا باطن۔ یہی تقسیم انسان کے وجود میں بھی پائی جاتی ہے چنانچہ انسان کا جسم اس کا ظاہر ہے اور اس کی روح اس کا باطن۔ مذہب مجموعی طور پر انسان کے تمام معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔ مذہب کا ظاہری پہلو انسان کے خارجی معاملات کا تعین کرتا ہے جیسے عبادات اور فرد اور معاشرے کے باہمی تعلقات اس پہلو کے اعتبار سے تمام مسلمان ایک ہیں خواہ کوئی عالم ہو یا جاہل ذہین ہو یا کند ذہن، بڑا ہو یا چھوٹا اور فرد ہو یا معاشرہ۔ مذہب کے ظاہر کا واحد معیار اقرار باللسان اور عمل بالجوارح ہے۔ اب رہا مذہب کا باطنی پہلو تو وہ فرد کے شعور کی سطح سے تعلق رکھتا ہے جیسے مثلاً ارکان عقیدہ کے معانی کا تصور، روحانی ترقی کے لیے ان معانی کا تجربہ کرنا تزکیۂ نفس کے لئے ریاضت کرنا اور روح کی واردات اور اس کے احوال کا مشاہدہ کرنا کہ یہ امور فرد کی اپنی صلاحیت اور شعور سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ ان امور کی معرفت کے لحاظ سے افراد ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر فرد مذہب کے باطن کی ساری فہم نہیں رکھتا اس لیے افراد کے مدارجِ یقین میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ (۳/۱۱۳)

(ترجمہ) یہ سب ایک جیسے نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے

اور خدا کا ارشاد ہے کہ، هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۹/۹)

(ترجمہ) کیا" وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں۔"

اسماعیلی داعیوں نے ایسی بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں تاویل پر زور دیا گیا ہے اور قرآن کے باطنی معانی اخذ کرنے کی تاکید کی گئی ہے وہ باطنی معانی جو عقیدے کے باطن کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینے والے لوگوں کی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہوں۔

قاضی نعمان نے اپنی کتاب "اساس التاویل" میں لکھا ہے کہ "ہر محسوس شے کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہر کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے اور باطن کا علم کے ذریعے۔ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور ہر باطن کا ایک ظاہر، ارشاد باری ہے کہ

كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۵۱/۴۹)

ترجمہ۔ یعنی اور ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

حدیث اور تنزیل (قرآن) میں جو کچھ بھی آیا ہے وہ شے ہے اور شے کے لئے خواہ وہ واحد ہو ایک زوج ہونا ناگزیر ہے تاکہ اس ذات باری کی وحدت جو اپنی خلق سے جدا ہے (دوسری وحدتوں سے) جدا رہے۔ خدا کے سوا ہر شے دو چیزوں کی ترکیب اور امتزاج سے وجود پذیر ہوتی ہے جیسے مثلاً انسان کہ وہ ایک ہے

مگر دو چیزوں سے عبارت ہے، ایک جسم اور دوسرے روح۔ جسم ظاہر ہے اور روح باطن اور جسم اور روح میں سے ہر ایک دو چیزوں سے مرکب ہے چنانچہ جسم برودت اور یبوست سے مرکب ہے اور روح حرارت اور رطوبت سے۔ خدا نے قرآن میں باطن کا کئی جگہ ذکر کیا ہے فرماتا ہے کہ

وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاهِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً" (پ ۳۱/۲)

ترجمہ:- یعنی "اور اس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر دی ہیں"

خدا نے خبر دی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کے بارے میں وہ ان سے سوال کرے گا چنانچہ فرماتا ہے کہ

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ" (پ ۱۰۲/۸)

ترجمہ:- یعنی پھر البتہ تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔

پس جو شخص نعمتوں کے باطن کی معرفت نہ رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو آخر وہ کس طرح جواب دے گا۔ ارشاد باری ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (پ ۳/۷)

ترجمہ:- وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی، اور اس میں محکم آیتیں ہیں وہی کتاب کی اصل متن اور دوسری متشابہات

(ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں)

اور وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (پ ۳/۷)

ترجمہ:- حالانکہ اس کا مطلب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور ان لوگوں کے جو علم میں راسخ ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

ہم نے حدود المعرفتہ میں ان لوگوں کا قول بیان کیا ہے جو تاویل کو مانتے ہیں مگر وجہ تاویل کا علم نہیں رکھتے اور ان لوگوں کا قول بھی نقل کیا ہے جو تاویل سے انکار کرتے ہیں اور برہان ان سب کے خلاف جاتی ہے ارشاد باری ہے کہ:

"هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (پ ۷/۵۳)

ترجمہ:- کیا وہ اس کی حقیقت کا انتظار کرتے ہیں جس دن اس کی حقیقت ظاہر ہوگی تو وہ لوگ جنہوں نے اسے پہلے ہی بھلا رکھا تھا کہیں گے بیشک ہمارے پروردگار کے رسُل حق لے کر آئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"مَا نَزَلَتْ عَلَیَّ مِنَ الْقُرْاٰنِ اٰیَۃٌ اِلَّا وَلَهَا ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ"

ترجمہ:- یعنی "مجھ پر قرآن کی جو آیت بھی نازل ہوئی ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن"

ہم نے اپنی کتاب حدود المعرفتہ میں ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کی صحت اور غلط تاویل کے فساد پر امت کا اجماع ہے۔ ہم نے بیان کیا ہے کہ تمام مسلمان باطنی معانی کے قائل ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں، ان کا قول ہے کہ خدا نے پانی سے ایک جگہ علم مراد لیا ہے۔ اور حیات سے ایمان مراد لیا ہے اور نور سے ہدایت اور تاریکی، اندھے پن، بہرے پن اور گونگے پن سے مراد گمراہی لی ہے جب کہ یہ ظاہری معانی نہیں ہیں۔ اور بھیڑوں سے عورتیں مراد لی ہیں اور ایسی کتنی ہی مثالیں ہیں۔ جب لوگ ایسی ہی تاویلات سنتے ہیں، جن سے خدا کی توحید اور صفات خلق سے اس کی تنزیہہ واجب آتی ہے تو ان تاویلات سے انکار کردیتے ہیں اور اپنے مقصود کو انسانی صفات سے متصف کرتے ہیں۔ وہ ان مثالوں کو سنتے ہیں جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے بیان کی ہیں جیسے ارشاد باری ہے کہ

تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ‌(۲۹/۴۳)

ترجمہ:۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں حالانکہ انہیں عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔

ارشاد باری ہے کہ:۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ

مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ‌(۲/۲۶)

ترجمہ:۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بڑھ کر (حقیر) چیز کی مثال دینے سے نہیں جھجکتا پس جو مومن ہیں وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے سو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا۔ اسی مثال سے خدا بہتوں پر گمراہی کا حکم لگا دیتا ہے مگر گمراہی کا حکم لگاتا بھی ہے تو ایسے نافرمانوں پر۔

اور ارشاد باری ہے کہ:

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ‌(۲۵/۳۹)

ترجمہ:۔ اور ہر ایک کے لیے ہم نے مثالیں بیان کردیں اور ہم نے ہر ایک کو ایسا ہلاک کیا جیسا کہ ہلاک کرنے کا حق تھا۔

اور وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ‌(۱۷/۸۹)

ترجمہ:۔ اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں سب لوگوں کیلئے ہر ایک مثال کو پھیر پھیر کر بیان کیا ہے۔

خدا بیان فرماتا ہے کہ قصص کی بھی تاویل ہے پس قصۂ یوسفؑ میں ارشاد ہوتا ہے کہ،

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ" (۱۲/۶)

ترجمہ:- اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں منتخب کرلیگا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر تعلیم کریگا۔

قرآن کی بہت سی آیتوں میں امثال، باطن اور تاویل کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ چیزیں عربی زبان میں جس میں کہ قرآن نازل ہوا ہے اور جس کے ذریعے خدا نے عربوں سے ان کی زبان میں خطاب کیا ہے معروف ہیں یہ بات قرآن کے معجزات اور عجائب میں سے ہے کہ وہ ایک بات بیان کرتا ہے اور اسی کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی. خدا نے قرآن کے ظاہر کو رسول کا معجزہ قرار دیا ہے اور قرآن کے باطن کو آئمہ اہل بیت کا معجزہ اور قرآن کا باطن صرف انھیں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان کے جدّ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کوئی بھی ظاہر قرآن لے کر آنے پر قادر نہیں۔ اسی طرح آئمہ اہل بیت کے سوا کوئی بھی اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ باطن قرآن لے کر آسکے۔ وہ (باطنِ قرآن) ایک ایسا علم ہے جو انھیں کو ودیعت کیا گیا ہے۔ وہ اس علم کے بارے میں لوگوں کے ہر گروہ سے اتنا ہی کلام کرتے ہیں جتنا وہ سمجھ سکیں اور وہ ہر شخص کو اس میں سے اتنا عطا کرتے ہیں جس کا وہ مستحق ہو اور وہ اس شخص سے اس علم کو روک لیتے ہیں جس سے روک لینا واجب ہے اور وہ ہر اس شخص سے اس کو بچا کر رکھتے ہیں جس سے بچا کر رکھنا چاہیئے اس لئے کہ خدا فرماتا ہے کہ:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۸/۳۹)

ترجمہ:- یعنی یہ ہماری بخشش ہے پس تو احسان کر یا روک رکھ بغیر حساب کے۔

اس بیان سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اساس یا امام کو اپنے پیروؤں پر غیر مشروط اختیار حاصل ہے اور یہ کہ لفظ "ASSASSIN" کا ماخذ کیا ہے۔ اسماعیلیوں کو جو "ASSASSIN" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے بارے میں ہماری توجیہہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل "اساسیین" ہے اس لیئے کہ وہ "اساس" کے قائل ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اساسیین، امامیین، کا مترادف ہے۔ مورخین نے لفظ "ASSASSIN" کی جو دوسری توجیہات کی ہیں وہ یکسر غلط ہیں اور غالباً لفظ اساس "کا نامانوس استعمال ان توجیہات کا باعث ہوا ہے۔

حشیش اور صوفی

اس سے پہلے جو کچھ کہا جا چکا ہے اس کے باوجود ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑیگا کہ حسن کے حامیوں کو حشیشین کا نام شاید اس لیے دیا گیا کہ وہ صوفیوں سے بہت مشابہہ ہیں بطور خاص اس لیے کہ باطنی کا لفظ دونوں

گروہوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور صوفی حلقوں میں حشیش عام طور پر استعمال ہوتی تھی۔ صوفی شعرا نے حشیش کی تعریف میں بہت سی نظمیں لکھیں جن کو طوالت کے خوف کی بنا پر یہاں نہیں پیش کیا جاسکتا ہے۔ دکتور زکی مبارک نے اپنی تالیف التصوف الاسلامی جزء اول کے صفحہ ۳۲۴ اور ۳۲۵ پر یہ روایت نقل کی ہے کہ پہلا صوفی جس نے حشیش کے استعمال کو شروع کیا وہ خراسان کے ایک مقام نشاور کا رہنے والا تھا اس کا نام شیخ حیدر تھا۔ اس نے پہاڑ کی کھو میں اپنا گھر بنایا تھا اور اس میں وہ دس سال سے زیادہ رہا۔ ایک دن بہت سخت گرمی تھی وہ اکیلا ریگستان میں نکل گیا اور جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھیوں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ خلاف معمول بہت خوش اور سرگرم عمل نظر آرہا ہے۔ اس نے اپنے دوستوں کو بحث کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے شیخ حیدر کا رویہ خلاف معمول بہت دوستانہ پایا۔ انھوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو شیخ حیدر نے بتایا کہ میں ریگستان میں اکیلا تھا وہاں میں نے تمام پیڑ پودوں کو ساکن اور بے حس و حرکت پایا کیونکہ ہوا بند تھی اور گرمی بہت زیادہ تھی مگر ایک پودا ایسا تھا جو بہت آہستہ آہستہ ہل رہا تھا جیسے انسان شراب کے نشے میں جھومتا ہے۔ میں نے اس کی چند پتیاں توڑیں اور کھالیں اس کے نتیجے میں یہ حالت پیدا ہوئی جس میں تم مجھے دیکھ رہے ہو۔ وہ اپنے ساتھیوں کو حشیش کے پیڑ کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ وہ عام لوگوں پر اس پیڑ کے خواص ظاہر نہ کریں۔ اس نے ان سے کہا" خدا نے تمہیں ان پتوں کے خواص جاننے

کے لیے منتخب کیا ہے تاکہ تم انھیں کھاؤ تو تمہارے پست جذبات ختم ہوجائیں اور اس کے اثر سے تمہارے شریف تر خیالات ابھریں۔ اس کو ایک مقدس راز کی طرح سمجھو" موت کے وقت شیخ حیدر نے اپنے عقیدت مندوں سے کہا کہ وہ اس کے خراسانی عقیدت مندوں کو حشیش کے بارے میں بتادیں۔ اس نے یہ وصیت کی کہ اس کے مقبرے کے اطراف حشیش کے پودے لگائے جائیں گویا اسے مرتے وقت بھی کسی شاعر کے یہ اشعار یاد تھے۔

اذا مت فادفنی الی جنب کرمة ... یروی عظامی بعد موتی عروقها
ولا تدفننی فی الفلاة فاننی ... اخاف اذا ما مت ان لا اذوقها

یعنی جب میں مروں تو مجھے انگور کی بیل کے پاس دفن کرنا تاکہ میری ہڈیوں کو اس کی جڑوں سے غذا ملتی رہے، مجھے جنگل میں دفن مت کرنا ورنہ میں موت کے بعد اس سے محروم ہوجاؤں گا"

اس وقت سے حشیش کو حیدر کی شراب کہا جانے لگا جس کے بارے میں محمد بن علی دمشقی نے یہ شعر کہے ہیں۔

دع الخمر واشرب من مدامة حیدر
معنبرة خضراء مثل الزبرجد
یعاطیکها ظبی من الترك اغید
یمیس علی غصن من البان املد
فتحسبها فی کفه اذ یدیرها
کرقم عذار فوق خد مورد
یرنحها ادنی نسیم تنسمت
فتهفو الی برد النسیم المردد

...وعلی اغصانہا الورق فی الضحی — فیطربہا سجع الحمام المفرد
وفیہا معان لیس فی الخمر مثلہا — فلا تستمع فیہا مقال مفند
ہی البکر لم تنکح بماء سحاتہ — ولا عصرت یوماً برجل ولا ید
ولا عبث القسیس یوماً بکاسہا — ولا قربّ بومن دنہا کفّ مُقعد
ولا نصّ فی تحریمہا عند مالکٍ — ولا حدّ عند الشافعی و احمد
ولا اثبتَ النعمان تنجیس عینہا — فخذ ہا بحد المشر فی المہند
وکف اکف الہم بالکفّ واسترح — ولا تطّرح یوم السرور الی غد

یعنی شراب چھوڑ دے اور حیدر کی شراب پی جسمیں عنبر کی خوشبو ہے اور جو زمرد کی طرح سبز ہوتی ہے حشیش کا یہ پودا لطیف ترین ہوا سے حرکت میں آجائے گا اور صبا کو خوش آمدید کہنے کے لیے اپنے دل کے دروازے کھول دے گا۔ مرغان سحر اس کی شاخوں پر نغمے گائیں گے اور حشیش کا پودا ان نغموں کے آہنگ پر رقص کرے گا۔ اس میں وہ خوبیاں ہیں جو شراب میں نہیں اس لیے اس کی تضحیک کرنے والوں کی بات پر کان نہ دھرو۔ یہ تو ایک دوشیزہ ہے جسے ہاتھوں سے چھوا نہیں گیا اور جس کا رس پیا نہیں گیا۔ زاہد نے اس کے جام کو نہیں چھوا۔ کسی فقیہہ نے اس کو ممنوع قرار نہیں دیا چاہے وہ مالک ہو شافعی ہو یا احمد بن حنبل۔ ابو حنیفہ نے اسے ناپاک نہیں بتایا تو پھر اسے حاصل کرو چاہے تمہیں اس کے لیے شامی یا ہندی تلواریں استعمال کرنی پڑیں۔ اسے پیو اور پریشان ہونا بند کردو۔ آج کی مسرتیں کل پر نہ چھوڑو۔" "علی بن مکیؒ شاعر حشیش کی دریافت کا سہرا ایک ہندوستانی حکیم کے سر باندھتا ہے۔" (۱) چنانچہ کہتا ہے۔

(۱) التصوف الاسلامی جزو اول دکتور زکی مبارک ص ۳۲۷

تبدّت فابدت ما اجنّ من الہوی — وجارت فولّت جند ہمّی والفکر
جمیلۃ اوصاف جلیلۃ رتبۃ — تعالت فغالی فی مدائحہا شعری
فقم فانف جیش الہم واکفف ید العنا — بہندیۃ امضی من البیض والسمر
بہندیۃٍ فی اصل اظہار اکلہا — الی الناس لاہندیۃ اللون کالسمر
فویل لہیب الہم عنّا باکلہا — وتہدی لنا الافراح فی السر والجہر

یعنی "وہ آئی اور میرے دل میں جس قدر محبت تھی بہہ نکلی۔ وہ آئی اور میری پریشانیوں کا لشکر پراگندہ ہو گیا۔ وہ اپنی خصوصیات میں حسین ہے اور اپنی حیثیت میں شاندار۔ جب وہ آتی ہے تو میری شاعری اس کی تعریف میں نطق کی حدود کو چھو لیتی ہے۔ اٹھ اور سفید اور خاکستری حشیش کے ذریعے اپنی پریشانیوں کے لشکر کا منہہ موڑ دے۔ یہ اپنے ذائقے اور اثر میں ہندی ہے اور اپنے خاکستری رنگ میں ہندی نہیں۔ اس کے کھاتے ہی تفکرات کی شدت ختم ہو جاتی ہے اور اس طرح ظاہر و باطن دونوں میں مسرت مل جاتی ہے۔ مقریزی نے لکھا ہے (۱) "یونانی حشیش کے بارے میں جانتے تھے بقراط اور جالینوس نے اس کے خواص اس کے فائدے اور اس کے نقصانات بیان کیے ہیں۔" مختصر یہ کہ "حشیش صوفی حلقوں میں عام طور پر استعمال ہوتی تھی اور اسے فقراء کی حشیش کہا جاتا تھا۔" (۲) ظاہر کے ماننے والوں نے حشیش کے استعمال پر صوفیوں کو بار بار ملامت کی ہے کیونکہ وہ اسے اخلاقی پستی سے

(۱) الخطط جلد ۳ ص ۳۰۷ (۲) التصوف الاسلامی جزو دوم دکتور زکی مبارک ص ۲۰۷۔

وابستہ کرتے ہیں۔

فقیہوں اور ظاہر پرستوں کو صوفیوں سے بڑی نفرت تھی اور انہوں نے صوفیوں پر بڑے مظالم توڑے۔ حلاج کو قتل کیا گیا۔ بایزید بسطامی کو علما کی سازشوں کے نتیجے میں سات بار اپنا شہر بسطام چھوڑنا پڑا۔ ذوالنون مصری پر زندقے کا الزام لگایا گیا اور انھیں مصر سے بغداد تک پابہ زنجیر لایا گیا۔ سہل بن عبداللہ تستری کو بصرے سے نکال دیا گیا۔ محمد بن فضل بلخی کی گردن میں رسی ڈال کر انھیں بلخ کے راستوں میں پھرایا گیا اور پھر بلخ سے نکال دیا گیا۔ شبلی پر کئی بار شرک کی تہمت لگائی گئی۔ امام ابوحنیفہ سے سخت ترین سلوک روا رکھا گیا۔ امام مالک پر مظالم توڑے گئے جن کی بنا پر انھیں پچیس سال تک مخفی رہنا پڑا۔ امام شافعی سے عراق اور مصر والوں نے سخت سلوک کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ ان پر مظالم توڑ رہے تھے وہ رائے عامہ کے خوف کی بنا پر مذہب کا سہارا لے کر اپنے دنیوی مقاصد اور سیاسی اغراض کو پورا کر رہے تھے۔

مختصر یہ کہ ظاہر پرستوں نے باطن پرستوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ شعرانی لکھتا ہے کہ حلب کے لوگ شیخ نسیمی کے دل سے متنفر تھے انھوں نے شیخ کو سزا دینے کے لیے منصوبہ بنایا۔ انھوں نے ایک کاغذ پر سورۂ اخلاص لکھوائی اور ایک موچی کو رشوت دے کر ایک جوتے میں یہ کاغذ سلوا دیا۔ یہ جوتا شیخ کو اس انداز سے پیش کیا گیا کہ انھیں شبہ تک نہ ہوا۔ شیخ نے لاعلمی میں یہ جوتا استعمال کرنا شروع کر دیا تب یہ لوگ حلب کے حاکم کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ہم نے معتبر ذرائع

سے یہ سنا ہے کہ نسیمی نے سورۂ اخلاص کو اپنے جوتے میں لکھوایا ہے اور اگر ثبوت کی ضرورت ہو تو شیخ کے جوتے دیکھ لیے جائیں۔ چنانچہ شیخ کے جوتے توڑ کر دیکھے گئے اور ان میں سے مذکورہ کاغذ برآمد ہو گیا۔ شیخ نے خندہ پیشانی سے خدا کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا۔ ان کی کھال کھنچوا لی گئی اور انھوں نے مسکراتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔

غالب امکان یہ ہے کہ نزاریوں اور صوفیوں کی بعض مشابہتوں کی بنا پر حسن کے دشمنوں نے حسن کی جماعت کو حشیشین کا نام دیا۔ یہی نام صوفیوں کو دیا جاتا تھا جن سے ظاہر پرست مخاصمت رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے نزاریوں کو بھی یہی نام دیا۔

صوفی مدرسہ فکر پر اسماعیلی تعلیمات کا اثر

اسماعیلی عقائد اپنی تعلیمات میں مذہب کے روحانی معنی پر مبنی ہیں۔ اسماعیلیت اور تصوف دونوں مذہبی معاملات کی باطنی تعبیر پیش کرتے ہیں۔ دونوں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مذہب کے دو پہلو ہیں یعنی ظاہر اور باطن اور ان دو میں باطنی معنی مذہب کا حقیقی مقصود ہیں۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اسماعیلی مذہب اسلام میں صوفیانہ خیالات کا سرچشمہ ہے۔ بعض افغان مصنفوں کا خیال ہے کہ افغانستان میں صوفی تحریکوں کے بانی حسن بن صباح کے داعی تھے جو گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں افغانستان میں موجود تھے۔

تیسری صدی ہجری میں شیعہ تحریکوں کی سب سے بڑی

خصوصیت تصوف تھا۔ کوفہ جو شیعوں کا سب سے بڑا مرکز تھا صوفی اداروں کا بھی مرکز تھا۔ صوفی مشائخ کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کے علم کا سرچشمہ ائمہ اہل بیت تھے اور وہ اپنے مذہب میں امام جعفر صادق سے وابستہ تھے۔ صوفی مصنفوں کی اکثریت صوفی لباس کو حضرت علی کی روایت سے وابستہ کرتی ہے۔ اور انھیں روحانی اقدار کے پہلے معلم کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ آج بھی اہل بیت سے صوفیوں کی ادارت مستحکم ہے۔

صوفیا اور اسماعیلی ایک طرح سے مشابہہ بھی ہیں تمام اسماعیلی صوفی ہوتے ہیں لیکن تمام صوفی اسماعیلی نہیں ہوتے، یہ اس لیے کہ اسماعیلیت ایک مذہب بھی ہے اور ایک سماجی نظام بھی، جب کہ تصوف محض ایک انفرادی معاملہ ہے۔ لہذا یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ قدیم اور جدید مورخوں نے جنید بغدادی، بایزید بسطامی، حلاج سہروردی اور ابن عربی کو اسماعیلی داعی قرار دیا ہے۔ اس سوال سے قطع نظر کہ یہ صوفی اسماعیلی داعی تھے یا نہ تھے یہ حقیقت ہے کہ تصوف کی مختلف شکلوں پر اسماعیلی خیالات کا گہرا اثر پڑا ہے۔ یقیناً صوفیوں کو باطنی اسماعیلیت کے مدرسے کے طالب علم کہا جا سکتا ہے۔ یہ بات ان لوگوں پر اچھی طرح واضح ہے جنھوں نے اسلامی تصوف کا مطالعہ کیا ہے۔ "المذہب التعلیم الباطنی" کے مصنف کا کہنا ہے کہ تصوف اسماعیلیت کی نقل ہے چونکہ وہ اسماعیلیت کی تنظیم اور اس کی اصطلاحات کو استعمال کرتا ہے۔

صوفی چار ادوار کا ذکر کرتے ہیں۔ شریعت کا دور جس میں

شریعت کے ظاہر کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ طریقت کا دور جو شریعت کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں پر مبنی ہے۔ حقیقت کا دور جس کا تمام تر تعلق باطن سے ہے اور اس کے دوران عرفان الٰہی کے سلسلے میں مختلف مدارج آتے ہیں اور عرفان الٰہی کا دور جو صوفیانہ وجد و حال سے باہر نکلنے کا نام ہے یہ تقسیم نزاری دعوت سے ماخوذ ہے۔ پروفیسر ایوانوف کہتے ہیں کہ "تصوف میں شریعت طریقت حقیقت اور معرفت کی تقسیم اسماعیلی مذہب کی ظاہر و باطن والی تقسیم پر مبنی ہے۔ غزالی تصوف کو باطنی معاملہ قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ تصوف باطنی معاملہ ہے جو نہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔"

قابل ذکر بات یہ ہے کہ غزالی ایک ہی وقت میں مندرجہ بالا خیال پیش کرتے ہیں اور مدرسہ نظامیہ کی معلمی کے دور میں باطنیت کی سخت مخالفت بھی کرتے ہیں۔ باطنیوں کے دشمن رہنے کے باوجود وہ باطنیوں کے گن گاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں۔

تصوف کبھی درویشوں اور صوف پہننے والوں تک محدود نہیں رہا۔ یہ تو سب ہی کے روحانی تجربے میں آیا ہے، وہ غریب ہوں یا امیر، نیک ہوں یا بدکار۔ صداقت کی جھلک ایسے لوگوں نے بھی دیکھی ہے جو ذہنی طور پر زیادہ بلند نہ تھے اور ایسے لوگ تصوف اور روحانیت سے ان لوگوں کی نسبت زیادہ قریب ہوتے ہیں جو روحانیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنے دلوں میں کینہ خواہشوں کو جگہ دیتے ہیں۔ ذہنی اور روحانی معاملات میں ایک بہت بڑی غلطی یہ سرزد

ہوئی ہے کہ غربت اور افلاس کو نیکی اور زہد کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے حالانکہ دراصل نیکی یہ ہے کہ کسی شے کا مالک ہونے کے باوجود اسے چھوڑ دیا جائے اور زہد یہ ہے کہ اقتدار ہو لیکن جذبات کو قابو میں رکھا جائے ۔ جو شخص تصوف کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اسے نوجوانوں کی اور ان لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیے جن کے پاس بہت کچھ ہے یہی لوگ اخلاقی دنیا کے صحیح کارکن ہیں اور یہی لوگ سچے صوفی ہیں حالانکہ وہ صوفیوں کا لباس نہیں پہنتے اور ہر وقت مصلّے پر نہیں بیٹھتے ۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ” تمہارا زہد دھوکا ہے اس لیے کہ سچا زاہد وہ نوجوان ہوتا ہے جو جذبات کی شدت پر قابو پا لے “

تصوف کو ان لوگوں تک کس طرح محدود کیا جا سکتا ہے جو اس کے ظاہری اور رسمی پہلوؤں پر عامل ہوں جب کہ تصوف دراصل باطن کا معاملہ ہے ۔ اس معاملے میں ہم غزالی کے ہمنوا ہیں کہ تصوف باطنی معاملہ ہے جسے نہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے ۔

مختصر یہ کہ اسماعیلی باطنی تعلیمات کا اثر صوفی مدارس فکر میں صاف نظر آتا ہے ۔ حسین بن منصور حلاج نے لوگوں کو ایک باطنی عقیدے کی طرف متوجہ کیا تھا ۔ جب شیخ ابوالحسن اشعری نے شیعوں کے انتہا پسند گروہوں پر اعتراضات کیے تھے تو انھوں نے ان کا نام ایک صوفی گروہ کے ساتھ لیا تھا ۔

دعوت کی تنظیم

دعوت کو اسماعیلی مذہب کا ایک بنیادی ستون قرار دیا جاتا ہے ۔ اسماعیلیت

کے آغاز سے اب تک داعی اس مذہب کی تعلیمات کی اشاعت کرتے رہے ہیں ۔ دعوت کے مخصوص قوانین ہیں اور ایک خاص تنظیم ہے جس کے مطابق داعی اپنے اہم اور غیر اہم اعمال کو ڈھالتے ہیں ۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ ” داعی الدعاۃ کا عہدہ فاطمی حکومت کا نمایاں عنصر تھا “ مقریزی نے صحیح کہا ہے اور اگر وہ یہاں کہتا کہ یہ عہدہ فاطمی مذہب کا نمایاں پہلو ہے تو اس کا کہنا صحیح ہوتا ۔ اسماعیلی جماعت سیاسی نہیں بلکہ مذہبی جماعت تھی ۔ وہ حکومتیں جو مغرب اور مشرق میں اس جماعت نے پیدا کیں وہ مختلف حالات کا نتیجہ تھیں ۔ یہ حکومتیں عام قسم کی حکومتیں نہ تھیں بلکہ ان کی بنیادی تنظیم اسماعیلی معاشرے کے مذہبی پہلو پر مبنی تھی جس میں کبھی کبھی سیاسی رنگ کی آمیزش ہو جاتی تھی یہ تنظیم آج بھی موجود ہے حالانکہ سیاسی رنگ یکسر ختم ہو چکا ہے ۔ دعوت اور امامت پہلو بہ پہلو چلتے ہیں جب امامت ہوتی ہے تو دعوت بھی ہوتی ہے چونکہ امام کو رسول سے دعوت کا ورثہ ملتا ہے ۔ خدا نے قرآن میں رسول کو داعی قرار دیا ہے ۔ قرآن میں بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر بندوں کے درمیان خدا کے داعی ہیں

اس سے قطع نظر کہ امام عام انداز کا بادشاہ ہوتا ہے یا نہیں وہ اپنے پیروؤں پر اقتدار مطلق رکھتا ہے ۔ امام وہ مرکز ہوتا ہے جس کے چاروں طرف مذہب گردش کرتا ہے اور اس کے لیے دعوت ہر جگہ اور ہر وقت موجود رہتی ہے ۔ ایک خالص اسماعیلی حکومت دراصل دعوت کی بااقتدار نمائندگی کرتی ہے ۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ ” جب معز مصر پہنچا اور جوہر نے حکومت اس کے حوالے کر دی تو معز نے خود کو دعوت کے کام میں مصروف کر دیا اور معز کے بعد دوسرے فاطمی

خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا۔ داعیوں نے اس کام میں ان کی مدد کی۔ داعی فوج میں بھی کام کرتے تھے تاکہ سپاہیوں کی مذہبی تعلیم ہو سکے۔ فتح کے بعد داعی الدعاۃ فاطمی دعوت کو منظم کرتا تھا۔ داعی الدعاۃ حکومت کا اعلیٰ عہدیدار ہوتا تھا اور معز نے اپنے داعی الدعاۃ کو اپنے محل کا ایک خاص حصہ رہنے کے لیے دیا تھا لیکن داعی الدعاۃ کا صدر دفتر جامع ازہر میں تھا جو دعوت کے مرکز کے طور پر بنائی گئی تھی۔

" فاطمی تعلیمات کی اشاعت کے نام میں داعی الدعاۃ کو بارہ نائبوں کی خدمات حاصل تھیں۔ مصر کے مختلف صوبوں میں اس کے بارہ نمائندے تھے۔ حکومت کے فقیہہ اس سے احکام لینے آتے تھے۔ شیعہ مذہب کے اصولوں پر گفتگو کے لیے منگل کا دن مقرر تھا۔ داعی الدعاۃ خلیفہ کو ان بحثوں کے نتائج سے آگاہ کرتا تھا اور خلیفہ کو جو کچھ منظور ہوتا تھا وہ اس کے دستخط سے صحیح قرار دے دیا جاتا تھا۔ داعی منظور شدہ تحریریں اور تقریریں مصنفوں کو واپس دے دیتا تھا تاکہ وہ انھیں لوگوں تک پہنچا سکیں۔

" شاہی محل میں داعی الدعاۃ کے زیر صدارت علمی جلسے منعقد ہوتے تھے۔ داعی الدعاۃ دیوان میں دعوت کی کرسی پر بیٹھتا تھا اور پہلے اس کی تقریر ہوتی تھی۔

اس کے علاوہ خواتین کے لیے ایک مخصوص مجلس ہوتی تھی جسے داعی کی مجلس کہا جاتا تھا۔ ان دونوں اجتماعات میں داعی الدعاۃ اسماعیلی اصولوں کی تعلیم دیتا تھا جب وہ اپنی تقریر ختم کرتا تو لوگ اس کے پاس جاکر اس کے ہاتھ چومتے تھے تب وہ ان کے سروں کو تقریر کے اس حصے سے مس کراتا تھا جس پر خلیفہ کے دستخط

ہوتے تھے۔ داعی الدعاۃ ان ہی جلسوں کے دوران نجویٰ (ایک مذہبی ٹیکس) جمع کرتا تھا، جب کوئی شخص $3\frac{2}{3}$ دینار دیتا تھا تو اسے خلیفہ کا دستخط شدہ کاغذ ملتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا: "خدا تمہیں تمہاری دولت، تمہاری اولاد اور تمہارے مذہب میں برکت دے۔" لوگ اس کاغذ کے ٹکڑے کو بڑی عزت اور تکریم کے ساتھ رکھتے تھے۔ "داعی الدعاۃ محل میں باقاعدگی کے ساتھ تقریریں کرتا تھا۔ علویوں کے لیے، امراء کے لیے، افسروں کے لیے، عوام کے لیے، غیر ملکی مسافروں کے لیے، حرم کے لیے اور محل کی خواتین کے لیے الگ الگ تقریریں ہوتی تھیں۔

" خلیفہ کے محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں اسماعیلی عقائد کی اشاعت کے لیے بے شمار کتابیں موجود تھیں۔ فاطمی اس کتب خانے پر بڑی توجہ دیتے تھے۔"

مقریزی کے مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اسماعیلی حکومت دراصل اسماعیلی دعوت کے سیاسی اقتدار کا دوسرا نام تھی اور اس کی سیاست کا مقصد اسماعیلی عقائد کی اشاعت تھا۔ اس کے برعکس بنو امیہ، عباسی اور دوسری چھوٹی حکومتوں نے کھوکھلی دعوتیں قائم کیں تاکہ وہ اقتدار پر قبضہ کر سکیں، چنانچہ جب ان کا مقصد پورا ہو گیا تو وہ خالصتہً سیاسی معاملات کی طرف راغب ہو گئے اور ان کے سیاسی زوال کے بعد ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ جہاں تک فاطمیوں کا تعلق ہے وہ ایک مذہبی گروہ تھے جنھوں نے اپنے مذہب کے لیے دعوت قائم کی۔ حکومت ان کے نزدیک ان کی دعوت کی تنظیم کا ذریعہ تھی۔ جب یہ ذریعہ ختم ہو گیا تو دعوت کی تنظیم پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ آج تک اپنی اصل شکل میں باقی ہے۔

عباسی اور سلجوقی امیروں اور بطور خاص نظامیوں کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں اسماعیلی نقطۂ نگاہ غلط نمایندگی کا شکار رہا ہے۔ ان لوگوں نے اپنی خامیوں کو چھپانے کے لیے اسماعیلیوں پر کفر و شرک کا الزام لگایا۔ یہ طرزِ عمل آجکل کی بین الاقوامی سیاسیات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ حسن کے دشمنوں نے اس کے خلاف فوجی کارروائیوں ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے عالموں اور فقیہوں کے درمیان حسن کے عقائد کے خلاف شدید ترین پروپیگنڈا جاری رکھا اور اس کی معاشرے کی تنظیم کے بارے میں اہانت آمیز دشنام طرازیاں کیں۔ وہ کہتے تھے کہ حسن کا مقصد لوگوں کے عقائد کو مسخ کرنا اور شریعت کو تباہ کرنا ہے۔ ان میں سے کچھ نے حسن کے معاشرے میں نو درجات کی موجودگی کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ کہا جاتا تھا کہ پہلے درجے میں حسن کے داعی طالبِ حق و صداقت کو عجیب و غریب سوالات کے ذریعے اور قرآن کی آیات کو توڑ مروڑ کر پیش کرکے شک و شبہات میں مبتلا کر دیتے تھے۔ دوسرے درجے میں اس سے رازداری کا حلف لیا جاتا تھا اور اسے امام کے بارے میں بتایا جاتا تھا۔ تیسرے درجے میں طالبِ حق کو اماموں کی تعداد بتائی جاتی تھی جو کبھی سات سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ چوتھے درجے میں یہ بتایا جاتا تھا کہ جب خدا نے کائنات کو پیدا کیا تو اس نے سات صاحبانِ شریعت پیدا کیے یہ سات پیغمبر تھے جو ناطق کہلاتے تھے۔ پانچویں درجے میں بتایا جاتا تھا کہ ان سات پیغمبروں میں سے ہر ایک کے بارہ وصی ہوتے ہیں جو دعوت کے سلسلے میں ان پیغمبروں کی امداد کرتے ہیں۔ چھٹے درجے میں اسلامی سنت کی تعلیم دی جاتی تھی اور طالبِ حق کو قائل کیا جاتا تھا کہ تمام مذہبی قوانین افلاطون ارسطو اور فیثاغورث کے فلسفیانہ نظاموں پر مبنی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ علم کی بلند ترین شکل ہے۔ ساتویں درجے میں طالب کو فلسفے کے میدان سے تصوف کی طرف لے جایا جاتا تھا۔ آٹھویں درجے میں پیغمبروں کی مذہبی تعلیمات کے ذریعے تہذیبی تربیت دی جاتی تھی اور طالب کو قائل کیا جاتا تھا کہ جنت اور دوزخ موجود نہیں ہیں نہ اس دنیا میں نہ اُس دنیا میں۔ بالآخر طالب نویں درجے میں آتا تھا جس میں وہ شیخ کی کورانہ پیروی کرتا تھا چاہے اس پیروی کا مطلب موت ہی کیوں نہ ہو۔

حسن کی دعوت کے بارے میں مندرجہ بالا بیان کے تضادات اظہر من الشمس ہیں یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس قدر طویل تعلیم و تربیت کے بعد اور یہ جانتے ہوئے کہ اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا موجود نہیں ہے کوئی شخص شیخ کی کورانہ پیروی کرے۔ شیخ کی پیروی اور اس سلسلے میں ہر ممکن قربانی کس طرح کی جا سکتی تھی جب کہ کوئی بنیادی اصول یا مقصد پیشِ نظر نہیں تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی بنیادوں پر کوئی نظام کس طرح قائم رہ سکتا تھا۔

یہ نو درجات والی کہانی دراصل اسماعیلی معاشرے میں دعوت کی تنظیم و تعلیم کی ایک مسخ شدہ تصویر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ طالبِ حق پر شروع ہی میں علم کے تمام پہلو منکشف نہیں کیے جاتے بلکہ درجات سے گزر کر ہی وہ داعی حجت یا باب کا درجہ حاصل کرتا ہے لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تمام تعلیمی اور مذہبی ادارے اس درجہ بندی پر عامل ہیں اور اس کے بغیر ان کی کارکردگی شبہے میں پڑ جاتی ہے بمشکل

یہ ہے کہ عباسیوں نے اسماعیلیوں کے خلاف خود غرضانہ دروغ گوئی کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جب وہ میدان جنگ میں حسن کو شکست نہ دے سکے تو انھوں نے جھوٹے قصوں کا سہارا لیا۔ کسی خبر کو کس قدر توڑ مروڑ کر پیش کیا جا سکتا ہے اس کی مثال کے طور پر قاری کی دلچسپی کے لیے کامل گیلانی کا قصہ درج ذیل ہے۔

ایک فرضی کردار ابوالفضل عبداللہ جو حی کہتا ہے "کل کی بات ہے کہ میں نے ایک عجیب قصہ سنا جو اس طرح ہے۔ شہر کے نواح میں ایک شخص نے مجھے بتایا کہ ایک شخص کی بیوی کے یہاں ایک کوّا پیدا ہوا جو پیدا ہونے کے بعد اڑ گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔" میں نے کہنے والے سے پوچھا کہ تم نے یہ کہانی کس سے سنی۔ اس نے ایک شخص کا نام بتایا۔ میں اس شخص سے ملا اور اس سے قصے کی تفصیل معلوم کی۔ اس نے بتایا کہ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ کوا پیروں پر چلتا ہوا غائب ہو گیا۔ اس شخص نے ایک اور شخص کا نام بتایا جس سے اس نے یہ واقعہ سنا تھا۔ میں اس تیسرے شخص کے پاس پہنچا۔ اس نے بتایا کہ "کوا نہ پیروں پر چلا اور نہ اڑا بلکہ کچھ دیر پیروں پر کھڑا رہا اور مر گیا۔" میں نے اس شخص سے بھی وہی سوال کیا۔ اس نے ایک اور شخص کا نام بتایا۔ اس طرح میں ایک مخبر سے دوسرے مخبر تک جاتا رہا اور ہر بار مجھے ایک نئی کہانی سننے کو ملی۔ ایک شخص نے کہا کہ دراصل کوا نہیں پیدا ہوا تھا بلکہ ایک بچہ تھا جس کی شکل پرندے کی سی تھی۔ ایک اور شخص نے کہا کہ نہ وہ کوا تھا اور نہ کوئی اور پرندہ بلکہ انسان کا بچہ تھا اور جسم کوے کا۔ جیسے جیسے میں کہانی کے اصل منبع سے قریب تر

ہوتا گیا کہانی عجیب وغریب ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ میں اس کہانی کے اصل بیان کرنے والے تک جا پہنچا جو دراصل میرا دوست ابوالفضل ابراہیم تھا۔ میں اس کے گھر پہنچا وہ اپنے دوستوں سے گفتگو کر رہا تھا جیسے ہی میں نے اس سے کہانی کے بارے میں سوال کیا تو وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ پھر اس نے ایک ساتھی سے کہا "اے ابوحماد! کیا تم ابوالفضل کے اس سوال کا جواب نہیں دو گے؟" ابوحماد نے بتایا کہ ابوالفضل نے یہ قصہ اسے بہت پہلے سنایا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ ابوالفضل کی بیوی کے یہاں ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا جس کا نام ابوالفضل نے خالد رکھا کہ بچے کی عمر زیادہ ہو (خالد کے معنی ہیں باقی رہنے والا) جو لوگ اس وقت موجود تھے ان میں سے ایک نے ابوالفضل سے کہا کہ خالد کی عمر کوے کی عمر کے برابر ہوگی۔ اس نے ازراہ مزاح ابوالفضل سے کہا کہ خدا کرے اس کوے کی عمر طویل ہو اور دوسرے تمام کووں سے زیادہ ہو۔" ابوحماد نے کہا "اے ابوالفضل یہ ہے وہ واقعہ جو میں نے بیان کیا تھا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان مزاحیہ الفاظ کو لوگ اس قسم کے معنی کس طرح پہنا سکتے ہیں۔ ابوحماد بہت ہنسا اور اس نے یہ شعر پڑھا "لوگ وہ سب کچھ کہتے ہیں جو میں نے کبھی نہیں کہا۔ خبروں کے لیے سب سے بڑی مصیبت ان کے مخبر ہوتے ہیں۔"

حسن کے بارے میں خبریں دینے والے ابوحماد کے مخبروں سے بہتر نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے درمیان ابوالفضل جیسا کوئی آدمی ہے جو یہ تکلیف گوارا کرے کہ خبروں کے اصل سرچشمے تک پہنچ کر ان کی صداقت کا حال معلوم کر سکے۔

حصہ پنجم

سلجوقیوں سے حسن کی آویزش

جب قلعہ الموت پر حسن کے قبضے کی خبر ملک شاہ کے دربار تک پہنچی تو وزیر نظام الملک بہت پریشان ہوا خاص طور پر اس لیے کہ اسے بتایا گیا کہ قلعۂ الموت مضبوط ترین پتھر کا بنا ہوا ہے اور اس پر قبضہ کرنا اس لیے اور بھی مشکل ہے کہ اس تک پہنچنے والے راستے بہت دشوار گزار ہیں۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ آس پاس کے گاؤں الموت کے لوگوں کے لیے رسد کا بندوبست کرتے ہیں اور اس لیے قلعے کے محاصرے کی کامیابی کے امکان زیادہ روشن نہیں ہیں۔ نظام الملک نے حسن سے جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ پہلا شخص جس نے نظام الملک کو حسن سے جنگ کرنے کی ترغیب دی ملک شاہ کی فوج کا ایک افسر تنتاش تھا جو رودبار کے علاقے کا والی تھا۔ اس نے الموت پر کئی بڑے حملے کیے لیکن وہ سب ناکام ہوئے۔ فدائیوں سے اس کے کئی معرکے ہوئے جن میں سے کوئی بھی قابل ذکر نہیں ہے۔ اس زمانے میں تنتاش مر گیا۔

فدائیوں کے ہاتھوں تنتاش کی فوجوں کی تباہی کا حال سن کر نظام الملک بے حد پریشان ہوا اور اس کے دل میں خدشہ پیدا ہو گیا کہ حسن ایک دو قلعوں پر قبضہ کر کے چپ نہیں بیٹھے گا چنانچہ اس نے پیدلوں اور سواروں کی ایک بہت بڑی فوج جمع کی۔ اس

نے ملک شاہ کے محافظ دستوں کو مختلف طریقوں سے اکسایا اور عالموں اور فقیہوں کو حسن اور اس کے حامیوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا۔ اس نے سلطان ملک شاہ کو حسن کی سرکوبی پر راضی کر لیا۔ چنانچہ ملک شاہ نے مشہور سالار ارسلان تاش کی قیادت میں ایک بڑی فوج الموت کی طرف بھیجی۔ ایک فوج قزل سارق کی قیادت میں خراسان کے ایک قلعے میں مقیم حسن کے داعی حسین قائنی کی سرکوبی کے لیے روانہ کی گئی۔ اس کے علاوہ حسن کے عقائد کے خلاف ایک زبانی جنگ بھی شروع کی گئی جس کی رہنمائی غزالی نے کی۔ حسن کے مخالفوں نے اس کے عقائد اور مذہب کے خلاف اس قدر زہر اگلا کہ عوام اسماعیلیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ اسماعیلیوں کے مکانات کو تاخت و تاراج کیا گیا بہت سے مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل کر دیے گئے۔

الموت کا محاصرہ

ارسلان تاش کی فوج ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء میں جمادی الاول کے مہینے میں الموت پہنچی۔ حسن سے ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا گیا۔ حسن نے جواب دیا کہ قلعے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور فوج واپس چلی جائے۔ ارسلان نے قلعے کا مکمل محاصرہ کر لیا اور قریبی دیہات کو اپنی فوجوں سے تباہ کرا دیا۔ حسن نے اپنے قلعے میں راشن بندی کا نظام قائم کیا تاکہ اس وقت تک قلعے میں غذا مہیا ہوتی رہے جب تک قزوین میں حسن کا داعی دیدار بوعلی الموت نہ پہنچ جائے۔ دیدار بوعلی کے تین سو آدمیوں نے ایک رات ارسلان تاش کی فوج پر شبخون مارا۔ شدید جنگ ہوئی اور دیدار بوعلی نے ارسلان کی فوجوں کو بھگا دیا۔ ارسلان

اصفہان کی طرف بھاگ گیا جب نظام الملک کو یہ معلوم ہوا تو وہ بہت زیادہ پریشان ہوا۔ اس نے ایک اور فوج تیار کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے پر عمل کرتا موت نے اسے آ لیا۔ جہاں تک قزل سارق کی فوج کا تعلق ہے اس نے حسین قائنی کے قلعے سے سلطان ملک شاہ کی موت کی خبر سنتے ہی محاصرہ اٹھا لیا۔

کہا جاتا ہے کہ ارسلان تاش کے ہاتھوں قلعۂ الموت کا محاصرہ چار مہینے جاری رہا لیکن اس تمام عرصے میں اس کی فوج کو قلعے کا کوئی اسماعیلی باشندہ نظر نہ آیا سوائے اسکے کہ ایک دن لوگوں نے قلعے کی فصیل پر ایک سفید پوش شخص کو دیکھا جس نے کچھ دیر فوج پر نظر کی اور غائب ہو گیا۔

نظام الملک کا انتقال ملک شاہ کے انتقال سے پہلے ہوا تھا اور جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں دراصل نظام الملک کی موت میں ملک شاہ کی مرضی شامل تھی۔ اس معاملے کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سلطان نظام الملک کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خائف تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق ملک شاہ اسماعیلی عقائد سے متاثر ہو گیا تھا اور نظام الملک کی حسن دشمنی کی بنا پر اس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ ابن جوزی کہتا ہے "ملک شاہ کے عقائد باطنیوں کی صحبت میں خراب ہو گئے تھے"۔ یہ عین ممکن ہے کہ ملک شاہ اسماعیلی مذہب سے متاثر ہوا اور اس نے حسن کے خلاف فوجیں نظام الملک کے دباؤ میں آ کر بھیجی ہوں۔ مختصر یہ کہ جس وقت نظام الملک حسن پر غلبہ پانے کا سب سے زیادہ خواہش مند تھا اس وقت موت نے اس پر غلبہ پا لیا۔

ملک شاہ کے بیٹوں سے حسن کی آویزش

ملک شاہ کی موت کے بعد سلجوقی سلطنت میں ضعف و زوال پیدا ہونے لگا کیونکہ اس کے بیٹوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر حسن کو اپنے مراکز کی حفاظت اور ان میں رسد کا انتظام بہتر بنانے کا موقع مل گیا۔ اس نے اپنے قلعوں میں پہلے سے زیادہ آدمیوں کو جگہ دی سامان خورونوش اکٹھا کیا اور اپنے والیوں اور داعیوں سے مواصلات کا سلسلہ پہلے سے بہتر طور پر منظم کیا۔

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ حسن کو جنگ و جدال سے نفرت تھی اور اس کی سیاست اپنے جوہر میں مذہب پر مبنی تھی اس کی بنیادی کوشش یہ تھی کہ وہ اپنے لوگوں تک اپنے امام کا پیغام پہنچائے اور امام کی رہنمائی میں اسماعیلی معاشرہ امن و خوشحالی سے بہرہ مند ہو۔ چنانچہ اس کی جنگیں دفاعی جنگیں تھیں۔ لیکن جب وہ دیکھتا کہ اس کے مخالف زور پکڑ رہے ہیں تو وہ معاملے کی اصل تک پہنچ کر اپنی پوری قوت سے اسے کچل دیتا تھا۔

معتبر تاریخی ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کے سوا ملک شاہ کے بیٹے اسماعیلیوں سے جنگ جاری رکھنا نہیں چاہتے تھے لیکن انھیں مجبوراً ایسا کرنا پڑا تاکہ ان پر نزاری جماعت پر مہربان ہونے کا الزام نہ لگایا جا سکے۔ جب ملک شاہ کا بیٹا برقیارق سلجوقی تخت پر متمکن ہوا اور اس نے اسماعیلیوں سے جنگ کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو عوام اور فقیہوں نے اس پر الزام لگایا کہ وہ اسماعیلیوں پر مہربان ہے۔ اصفہانی لکھتا ہے " سلطان اسماعیلیوں سے جنگ

کرنے پر مجبور ہو گیا اس لئے کہ اسے ڈر تھا کہ عوام اور مذہبی علماء کفر کا فتوےٰ لگائیں گے جیسا کہ وہ کرمان کے شہزادے کے سلسلے میں کر چکے تھے۔ انھوں نے کرمان کے شہزادے کو اسماعیلیوں پر مہربان ہونے کے الزام میں تخت سے ہٹا دیا تھا۔" ابن جوزی لکھتا ہے "نزاریوں کی دشمنی کا اعلان کر کے برقیارق نے لوگوں کے دلوں سے شبہات دور کر دیے۔" لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ برقیارق نے نزاریوں سے جنگ نہیں کی اور نہ ان پر فوج کشی کی اور نہ ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا۔ اس نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ اپنے علاقوں سے ان کا اثر ختم کرنے کے لیے اقدامات کیے کیوں کہ ان کا اثر روز بروز بڑھ رہا تھا اور بعض اہم شخصیتوں نے اسماعیلی مذہب قبول کر لیا تھا مثلاً والی یزد اور برقیارق کے بعض نائبین ان لوگوں میں شامل تھے۔ بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ برقیارق کے ایک وزیر کو اس کی سنّی فوج نے قتل کر دیا تھا اس لیے کہ وہ اس پر نزاری عقائد کا شبہ کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن بن صباح کی تحریک بہت منطقی اور لطیف تھی۔ ایک طرف سلجوقی حکمران حسن کے قلعوں کا محاصرہ کرنے کے لیے فوجیں روانہ کر رہے تھے اور دوسری طرف حسن ان افسروں میں اسماعیلی عقائد کی تبلیغ کر رہا تھا جو حسن کے خلاف استعمال ہو سکتے تھے۔ برقیارق اس بنا پر بہت خائف تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے اسماعیلیوں کے خلاف کاروائی نہ کی تو حکومت نزاریوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔

اس کے برعکس جب ۴۹۸ھ / ۱۱۰۵ء میں محمد بن ملک شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے اسماعیلیوں کے خلاف شدید کارروائیاں کیں۔ اسماعیلیوں سے لڑنا اس نے اپنی عادت میں شامل کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اصفہان کے قریب قلعہ شاہ دز کو اسماعیلیوں سے آزاد کرا لیا

اور وہاں کے داعی اوّل احمد بن عبدالملک بن عطاش کو قتل کروا دیا۔

شاہ دز پر احمد بن عبدالملک بن عطاش نے ۴۸۸ھ / ۱۰۹۵ء میں قبضہ کیا تھا اور برکیاروق کے عہد حکومت میں اصفہان کے علاقے میں یہ قلعہ دعوت کا مرکز تھا بالکل اسی طرح جیسے رودبار میں قلعۂ الموت تھا۔ ابن عطاش دعوت کے طریقِ کار میں ماہر تھا اور لوگوں کے دل جیتنے میں اسے ملکہ حاصل تھا اس کے علاوہ وہ بہادر اور جری آدمی تھا جس نے اپنی قوتِ عمل سے اصفہان کے علاقے میں اپنے مذہب کے لیے بڑی حمایت پیدا کر لی تھی۔ یہاں اس کے تقریباً تیس ہزار حامی موجود تھے۔ ابن عطاش قلعہ شاہ دز پر بارہ سال تک قابض رہا۔ یعنی ۴۸۸ھ / ۱۰۹۵ء سے ۵۰۰ھ / ۱۱۰۷ء تک۔

سلطان محمد بن ملک شاہ نے اسماعیلیوں سے اپنی جنگوں کا آغاز قلعہ شاہ دز پر حملے کی صورت میں کیا۔ اسماعیلی تعداد میں صرف اسّی تھے اور انھوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ابن عطاش نے سلطان محمد کو بعض ذرائع سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ جنگ کا راستہ چھوڑ دے اور امن پسندی سے معاملہ طے کرے لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ قلعے کی جراٰت مندانہ مدافعت کرتے ہوئے وہ سلطان کی فوجوں کے ہاتھوں اسیر ہو گیا۔ پہلے اصفہان کی گلیوں میں اس کی تشہیر کرائی گئی اور پھر سلطان نے اس کی کھال کھچوا لی۔ اس کا بیٹا جنگ کے دوران قتل ہو گیا تھا اور اس کی بیوی نے قلعہ شاہ دز کی فصیل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی۔

ابن عطاش کی موت کے بعد امام نے حسن کو کلّی طور پر دعوت کا ذمہ دار بنا دیا اور اس کے بعد قلعۂ الموت اسماعیلی جماعت کا

صدر دفتر بن گیا۔

حسن اور سلطان محمد کی آویزش

۵۰۰ھ/۱۱۰۷ء میں قلعہ شاہ دز کی شکست اور ابن عطاش کی موت کے بعد ۵۰۱ھ/۱۱۰۸ء اور ۵۰۳ھ/۱۱۱۰ء کے درمیان سلطان محمد نے اپنی فوجیں الموت کی طرف بھیجیں۔ ان فوجوں کا سردار اس کا وزیر احمد بن نظام الملک تھا۔ قلعہ الموت پر سخت حملہ ہوا لیکن سلطان محمد کی فوجوں کو اپنا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ حسن کی نظر جنگ کے دوران اپنے بدترین دشمن احمد بن نظام الملک پر پڑی تو اس نے اسے ایسا سبق سکھایا کہ احمد حسن کے خلاف فوج کشی کرنے کے قابل نہ رہا لیکن سلطان محمد اسماعیلیوں سے بدظن ہی رہا اور ۵۰۵ھ/۱۱۱۲ء میں اپنے بیٹے طغرل بیگ کے اتالیق اور سپہ سالار اعلیٰ انوشتگین شیر گیر کی قیادت میں حسن کے خلاف ایک بڑا دستہ بھیجا انوشتگین نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور محاصرے کی کامیابی کے لیے قلعے کے چاروں طرف اپنے سپاہیوں کے مکانات بنوا دیے۔ ابن اثیر لکھتا ہے "اس نے (یعنی سلطان محمد نے) انوشتگین شیر گیر پر زور دیا کہ وہ حسن سے جنگ کرے۔ انوشتگین نے کئی چھوٹے قلعوں پر قبضہ کر لیا مثلاً قلعہ کلام جس پر ۵۰۵ھ میں قبضہ ہوا۔ یہ قلعہ علی بن موسیٰ کی قیادت میں تھا جسے مجبور ہو کر الموت میں پناہ لینی پڑی۔ انوشتگین نے قلعہ بیرہ پر بھی قبضہ کر لیا جو قزوین سے سات فرسنگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہاں سے انوشتگین الموت کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان محمد نے کچھ اور امیروں کو بھی اس کی مدد کے لیے بھیجا۔ الموت کا محاصرہ کر لیا گیا۔ انوشتگین کے پاس ذہانت،

اور بہادری کے اعتبار سے بہترین فوج موجود تھی اور وہ خود ان میں سب سے زیادہ ذہین اور بہادر تھا۔ اس نے الموت کے چاروں طرف مکانات کی تعمیر کا حکم دیا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ ان میں رہنے لگا۔ اس نے عرصے مقرر کر دیے جن کے دوران فوج کا ایک دستہ قلعے کی نگہداشت کرتا تھا۔ اس طرح محاصرہ بہت طویل عرصے تک قائم رہ سکتا تھا۔ سلطان محمد فوجیں روپیہ اور رسد بھیجتا رہا تاکہ انوشتگین کی قوت میں اضافہ ہوتا رہے۔ حسن کے آدمیوں کے لئے سخت امتحان کا وقت تھا۔ ان کی رسد کم ہوتی جا رہی تھی۔ جب حالات زیادہ خراب ہو گئے تو انھوں نے اپنی عورتوں اور بچوں سے کہا کہ وہ قلعے سے باہر جا کر محاصرہ کرنے والوں سے درخواست کریں کہ انھیں کسی اور مقام پر جانے کی اجازت دے دی جائے لیکن سلطان کی فوجوں نے اس کی اجازت نہ دی اور اس امید پر خوش ہوئے کہ قلعے میں رہنے والے جلد ہی بھوک پیاس سے ختم ہو جائیں گے۔ حسن نے اپنے لوگوں میں راشن بندی جاری کی اور ایک شخص کو ایک وقت میں ایک روٹی اور تین اخروٹ دیئے جانے کا حکم دیا۔ جس وقت راشن بندی کا یہ حکم دیا گیا اس وقت حسن کے لوگوں کو اطلاع ملی کہ سلطان محمد کا انتقال ہو گیا ہے۔ تعجب انگیز طور پر محاصرہ کرنے والوں کو سلطان کی موت کی اطلاع ایک دن بعد ملی۔ چنانچہ انھوں نے محاصرہ ختم کر کے واپس چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ شیر گیر نے فوج کو مشورہ دیا کہ وہ محاصرہ اس وقت تک جاری رکھے جب تک قلعے کے دروازے نہ کھل جائیں اور اگر فوج محاصرہ جاری رکھنا نہ چاہے تو وہاں کم سے کم تین دن ٹھہرے تاکہ رسد کو کھا پی کر ختم کر دیا جائے اور جو چیزیں واپس نہیں لے جائی جا سکتیں انہیں تباہ کر دیا جائے تاکہ دشمن ان سے فائدہ نہ اٹھا

سکے۔ فوج نے شیر گیر کے مشورے کو قبول کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ وہیں ٹھہریں گے مگر رات کے اندھیرے میں سوائے چند لوگوں کے سب لوگ شیر گیر کو کچھ بتائے بغیر واپس چلے گئے۔ اسماعیلیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور شیر گیر کے دستے پر حملہ کر دیا۔ شیر گیر نے اپنا دفاع کیا اور بالآخر واپس جانے والی فوجوں سے جا ملا۔ اسماعیلیوں نے ان کے چھوڑے ہوئے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔" (۱)

سلجوقیوں نے اسماعیلیوں کو نیست و نابود کرنے کی کئی کوششیں کیں مگر وہ سیاسی سوجھ بوجھ اور سفارتی حکمت عملی کی اس سطح پر نہ پہنچ سکے جس پر نزاری سردار تھے۔ نزاریوں نے سلجوقی فوج کی مختلف سطحوں پر اپنے داعیوں کا ایک جال بچھا دیا تھا۔ سلطان محمدؒ کا وزیر سعد الملک اسماعیلی تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ الدّرکازینی وزیر بنا وہ بھی اسماعیلی تھا۔ اس نے اسماعیلیوں کے کٹر دشمن شیر گیر کو قتل کرا دیا۔ مختصر یہ کہ حسن کے کارندے سلجوقیوں کی زندگی کے ہر شعبے میں موجود تھے۔ حکومت کا کوئی عہدہ ان کے عقائد کی نشر و اشاعت سے محفوظ نہ تھا۔ اس طرح حسن اور اس کے حامیوں کو اپنا اثر بڑھانے کا موقع ملا۔ اس کے برعکس حسن کے دشمنوں کی حالت بہت نازک ہو گئی اور ان کی کوششیں ناکام سے ناکام تر ہوتی چلی گئیں۔

حسن اور سلطان سنجر

سلطان محمدؒ کے انتقال پر سلجوقی سلطنت کی سربراہی سلطان سنجر کے ہاتھ میں آئی جس نے اسماعیلیوں کی طرف اپنے پیشرو کی طرح سخت

(۱) کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۵۲۷ صفحہ ۵۲۸ صفحہ ۵۲۹

رویہ اختیار کیا۔ اسماعیلیوں کے حق میں اس کا رویہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے قلعہ الموت کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ حسن نے سلطان کو بہت سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ امن کے نام پر اس سے اپیل کی اور اسے جنگ کے بھیانک نتائج سے آگاہ کیا لیکن سلطان سنجر پر ان نیک مشوروں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ "حسن نے سلطان کے ایک خاص خدمت گار سے معاملہ طے کیا۔ سو اس نے ایک رات جب کہ سلطان مست ہو کر سویا ہوا تھا اس کے بستر کے سامنے زمین میں ایک خنجر گاڑ دیا۔ سلطان جب بیدار ہوا تو خنجر دیکھ کر ڈر گیا۔ سلطان کو حسن نے یہ پیغام بھجوایا کہ "اگر سلطان کے باب میں بھلائی کا ارادہ نہ ہوتا اور سلطان سے نیکی کی امید نہ ہوتی تو جو خنجر سخت زمین میں گاڑا گیا ہے وہ سلطان کے نرم سینے میں بھی اتارا جا تا۔" اس تحریر کو پڑھ کر سلطان سنجر خوف و دہشت سے ہکا بکا رہ گیا اور اس وجہ سے وہ حسن کے رفیقوں سے صلح کرنے پر مائل ہوا (۱) لیکن اس نے کہا کہ اگر تین شرطیں مان لی جائیں تو مصالحت کا معاملہ انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اسماعیلی کوئی نیا قلعہ نہیں بنائیں گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ہتھیار نہ تو خریدیں گے اور نہ اپنے پاس رکھیں گے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ لوگوں میں اپنے عقیدے کی تبلیغ نہیں کریں گے۔ سلطان کے نرم رویئے کے باعث اس کے دور میں اسماعیلیوں کو بہت ترقی حاصل ہوئی اور ان کی دعوت نے بہت فروغ پایا۔ حسن اور سلطان سنجر کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس میں

(۱) تاریخ جہانگشا جلد سوم صفحہ ۲۱۴ فصلی از جامع التواریخ صفحہ ۴۰

حسن کو قومس کے نواح میں خراج وصول کرنے کا حق دے دیا گیا۔ گردکوہ کے اسماعیلیوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے علاقے سے گزرنے والے تجارتی قافلوں پر ٹیکس لگا سکتے ہیں (۱) جب لوگوں نے عہد نامے کی خبر سنی تو وہ بڑی تعداد میں حسن کے مذہب میں از خود داخل ہونے لگے۔ اس طرح فارس اور خراسان میں حسن کا اثر برق و رعد کی سی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا۔

یہ ایک کھلا ہوا راز تھا کہ زیادہ تر خراسانی اور فارسی لوگ اور ان میں بطور خاص سلجوقی حکومت کے بڑے بڑے افسر نزاری مذہب اختیار کر چکے تھے۔ وہ اپنے عقائد کو چھپاتے نہیں تھے اور علی الاعلان اپنے عقائد کا اظہار کرتے تھے۔ ابن طباطبا نے الفخری میں لکھا ہے کہ "باطنی مذہب دور دور پھیل گیا۔ اعلیٰ افسروں کی ایک بڑی تعداد اس کے زیر اثر تھی۔"

مختصر یہ کہ حسن نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بہت سے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ مثلاً اس کی مذہبی ریاست کی آزادی، اسماعیلیوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی عام اجازت اور حسن کے دشمنوں کے درمیان امن کا قیام۔ یہ سب کچھ حسن کی سیاسی بصیرت اور سفارتی اہلیت کے ذریعے ہوا اور اس طرح طاقتور سلجوقی حکومت اسماعیلیوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق ماننے پر مجبور ہو گئی۔

حسن کے تعلقات شام سے

جب حسن بن صباح نے فارس اور خراسان میں سلجوقیوں کو

(۱) تاریخ جہانکشا جلد سوم ص۲۱۴ فصلی از جامع التواریخ ص۴۰ ص۴۱

مغلوب کر لیا تو اس نے اپنی توانائی دوسرے علاقوں کی طرف پھیلائی حلب کی طرف اس نے مشہور داعی طبیب المنجم کو بھیجا۔ طبیب المنجم نے اسماعیلی دعوت کی اشاعت میں بڑی کوشش کی اور بہت سے لوگ جن میں شاہ رضوان بن تتش بن الپ ارسلان بھی شامل تھا نزاری مذہب میں داخل ہو گئے۔ طبیب المنجم کی موت کے بعد شام میں اسماعیلیوں کی قیادت دو اور داعیوں ابوطاہر اور ابوالفتح کے سپرد ہوئی۔ حسن نے ان دونوں کو طبیب المنجم کی امداد کے لیے شام بھیجا۔ نزاری دعوت میں بہت سے لوگ شامل ہونے لگے یہاں تک کہ تمام شام ان سے بھر گیا انھوں نے بہت سے قلعے حاصل کیے مثلاً بنیاس، القدموس، المصیاف الفرقۃ الرقب اور بہت سے دوسرے قلعے اور گاؤں۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شام میں اسماعیلیوں کی سرگرمیاں اتنی ہی اہم تھیں جتنی فارس اور خراسان میں بطور خاص اس لیے کہ رشید الدین سنان نے حسن بن صباح کے اصولوں پر عمل کیا۔

حسن نے بعض سربرآوردہ داعی ہندوستان بھی بھیجے جنھوں نے نزاری دعوت کو بڑی اشاعت دی۔ اور انہیں کی کوششوں کے نتیجے میں خوجہ برادری وجود میں آئی۔

حصہ ششم

حسن کی وفات

نزاری دعوت کی مناسب تنظیم اور فارس خراسان شام اور ہندوستان میں دعوت کے قیام اور استحکام کے بعد حسن بن صباح نے ادبی زندگی اختیار کرلی ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء تک وہ اسماعیلی مذہب اور عقائد پر بیش بہا تحریریں پیش کرتا رہا۔ اسی سال اس کا انتقال ہوا۔ افسوس ہے کہ حسن کا ادبی خزانہ ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء میں ہلاکو خان کے وحشیانہ حملے کے دوران تباہ ہو گیا۔ ہلاکو خان نے قلعہ الموت میں موجود تمام نزاری اسماعیلی کتابوں اور تحریروں کو جلوا دیا تھا۔ یہ بات اس لیے اور بھی زیادہ افسوسناک ہے کہ اس طرح حسن کے دشمنوں کو موقع مل گیا کہ وہ اس کے بارے میں ہر قسم کی لغو باتیں لکھ سکیں۔ ساری دنیا میں حسن کے بارے میں جھوٹی روایات کو فروغ دے سکیں۔ جھوٹ کے یہی پلندے بعد میں جدید مؤرخوں کے لیے معلومات کے ماخذ بن گئے۔

الموت میں حسن کے جانشین

جب حسن نے محسوس کیا کہ اس کے چاروں طرف موت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں تو اس نے قلعہ لمسر میں اپنے نمائندے کیا بزرگ امید کو الموت بلوایا۔ کیا بزرگ ایک سربرآوردہ داعی تھا اور حسن پر اس کا خلوص، اس کی صلاحیت اور مذہب کے معاملے میں اس کا جذبۂ ایثار ثابت تھا۔ حسن نے کیا بزرگ امید سے ایک فرمان پر دستخط کرائے اور اپنے بعد اپنا اختیار اس کو سونپا۔ حسن نے کہا "تمہارے بارے میں اپنی بلند رائے

کی بنا پر میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم امام وقت کی اطاعت کرو اور اسماعیلی معاشرے کی خدمت بجا لاؤ۔ میرے دست راست بنو اور امام کی اطاعت میں میری مثال پر قائم رہو۔ اس مذہبی ریاست کی باگ ڈور کو مضبوط ہاتھوں سے گرفت میں لیے رہو۔ یہ باگ ڈور امام کے حکم کے سوا کسی صورت میں نہ چھوڑنا۔ میں نے تمہیں بہت سے لوگوں میں سے منتخب کیا ہے کیونکہ میں تمہارے اندر یقین، ذہانت، جرأت اور صلاحیت دیکھتا ہوں۔ تم ان صفات کو ریاست کے انتظام کے لیے استعمال کر سکتے ہو۔"

کیا بزرگ امید نے اپنے کام میں مستعدی دکھائی اور ان تمام توقعات اور امیدوں کو پورا کیا جو حسن نے اس کے بارے میں قائم کی تھیں، اس کے زمانے میں اسماعیلی ریاست مستحکم سے مستحکم تر ہوتی چلی گئی اس کا اثر و اقتدار فارس خراسان اور شام کے بعید ترین علاقوں میں بھی محسوس کیا جانے لگا۔ اسماعیلیوں کے قلعوں کی تعداد جو بہتر تک پہنچ گئی۔ کیا بزرگ چودہ برس تک الموت میں حسن کی مذہبی اور سیاسی حکمت عملی کے مطابق دعوت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کیا محمد اس کا جانشین ہوا جسے امام مہتدی بن امام الہادی بن امام نزار نے مقرر کیا تھا۔ کیا محمد نے بھی حسن کی حکمت عملی پر عمل کیا اور اس کی تقلید کی۔ اس کے دور میں مذہبی اور سیاسی اقتدار اماموں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا جن میں پہلے القاہر تھے اور دوسرے امام حسن علیٰ ذکرہ السلام۔ اماموں نے الموت کے اسماعیلیوں کے روحانی اور سیاسی معاملات کی ذمہ داری خود سنبھالی اور ساتویں صدی ہجری تک اماموں کا یہ سلسلہ قائم رہا۔ جب اسلامی دنیا پر منگولوں کا حملہ ہوا تو عباسی خلافت کی طرح نزاری ریاست بھی ختم ہو گئی۔ تاتاریوں نے الموت پر قبضہ کر لیا

اور اس کا وہ بیش بہا کتب خانہ جلا ڈالا جس میں حسن کی کتابیں، رسالے اور سوانح موجود تھے۔ اس طرح علم و ادب کا ایک بیش قیمت خزانہ وحشیانہ انداز میں برباد کر دیا گیا۔

حسن کی شخصیت

حسن بن صباح ان چند عظیم رہنماؤں میں سے تھا جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور دنیا کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ حسن اپنے کردار کی بنا پر اسماعیلی ہی نہیں بلکہ اسلامی رہنماؤں کے درمیان نمایاں طور پر ممتاز نظر آتا ہے۔ اپنی مضبوط شخصیت کی بنا پر حسن نے سنی سیاسی اور مذہبی طوفانوں کے درمیان نزاری ریاست قائم کی۔ حسن کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی دور اندیشی تھی جس کی بنا پر وہ ایک ایسی حیثیت حاصل کر سکا جو کسی طرح بھی بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی حیثیت سے کم نہ تھی۔ اس کی دور اندیشی کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے اسماعیلیوں کے عبوری دور میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر واقع مضبوط قلعوں پر قبضہ کیا۔ اس طرح اس کا اقتدار آفتوں سے محفوظ رہا۔

حسن کے کردار کا ایک اور پہلو اس کی باریک بینی اور تنظیمی صلاحیت تھی۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ حسن نے کس طرح اپنے معاشرے اور اپنی جماعت کو مضبوط بنیادوں پر منظم کیا اور کس طرح اس کی یہ تنظیم دعوت کی اشاعت، سیاست اور جنگوں کے دوران اسماعیلیوں کی کامیابی کی ذمہ دار ٹھہری۔ حسن کی تمام کوششیں کامیاب ہوئیں۔ حسن کا کارنامہ اتنا ہی عظیم ہے جتنا ابو عبداللہ شیعی کا جو شمالی افریقہ میں فاطمی ریاست کے قیام کا ذمہ دار تھا۔

حسن کی ایک اور خصوصیت اس کا تحمل تھا۔ وہ مشکلوں کے درمیان بے پرواہی سے اپنا کام جاری رکھتا اور بالآخر مشکل پر قابو پا لیتا تھا۔ مثلاً جب وہ مصر سے پانی کے جہاز میں شام جا رہا تھا تو طوفانی ہواؤں نے جہاز کو بے قابو

مایوسی طاری ہو گئی۔ لیکن حسن ہمیشہ کی طرح پرسکون
کر دیا اور تمام مسافروں پر
رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ حالات پر قابو پا لیتا تھا اور حالات کو اس کی اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ اس پر قابو پا لیں۔ حسن کے صبر و تحمل کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اس نے صرف تین سو حامیوں کے ساتھ سلجوقی فوج کا منہ پھیر دیا اور سر پر کھڑی ہوئی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ اگر اتنی چھوٹی تعداد کی قیادت کسی اور شخص کے پاس ہوتی تو وہ اس قدر مشکل حالات میں ہمت ہار بیٹھتا۔ لیکن حسن نے صبر و تحمل
کامیابی کا سبب بن گئی۔
سے کام لیا اور یہی بات اس کی
حسن نے ایمانداری اور نیکوکاری میں بھی امتیاز حاصل کیا اور ان خصوصیات کی علامت بن گیا۔ اس کے خاندان والوں اور اس کے حامیوں نے ان اقدار میں اس کی مثال پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی بیٹی اور دوسری عورتوں کو اپنی روزی آپ کمانے کی تلقین کی جب کہ وہ خود غریب نہیں تھا اور ان کے لیے بندوبست کر سکتا تھا۔ وہ اپنا سارا وقت عبادت کرنے اور اسماعیلی عقائد پر کتابیں لکھنے میں گزارتا تھا۔ ان خصوصیات کی بنا پر حسن نے قیادت کا ایسا بلند درجہ حاصل کیا جو اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی داعی کو نصیب نہ ہو سکا۔ یہ اس کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ نزاری دعوت مشرق کے تمام علاقوں میں پھیل گئی اور حسن نے اپنے جانشینوں کے لیے الموت میں ایک مضبوط اور مستحکم ریاست اور اخوت و محبت کے رشتوں سے بنا ہوا معاشرہ چھوڑا۔

کتابیات

عربی

۱ ابن اثیر، علی بن محمد
الکامل فی التاریخ، جلد ۷ تا ۱۰
بیروت ۱۹۶۶ء

۲ اخوان الصفا
رسائل اخوان الصفا
بیروت ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء

۳ جمال الدین ابو المحاسن
النجوم الزاہرہ
مطبعۃ دار الکتب المصریہ بالقاہرہ ۱۹۳۲ء

۴ حسن ابراہیم حسن و طٰہٰ احمد شرف
عبید اللہ المہدی
مکتبۃ النہضۃ المصریہ، قاہرہ

۵ الرازی، ابی بکر محمد بن ذکریہ
رسائل فلسفیہ
جمع و تصحیح پ۔ کراؤس
مطبعۃ بول باریہ۔ القاہرہ، مصر ۱۹۳۹ء

۶ سرور، محمد جمال الدین، ڈاکٹر
النفوذ الفاطمی فی جزیرۃ العرب
دار الفکر العربی۔ القاہرہ، مصر ۱۹۵۰ء

۷ طٰہٰ احمد شرف
دولۃ النزاریہ اجداد آغا خان
مکتبۃ النہضۃ المصریہ۔ قاہرہ ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء

۸ عبد اللہ بن مرتضیٰ، الشیخ
الفلک الدوار فی سماء الائمۃ الاطہار
طبعۃ المارونیہ بحلب، سوریہ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۲ء

۹ محمد بن طاہر، سیدنا
مجموع التربیۃ (مخطوطہ)

۱۰ المقریزی، تقی الدین احمد بن علی
(۱) اتعاظ الحنفاء باخبار الائمۃ الفاطمیین الخلفاء
تدوین و ترتیب جمال الدین شیال
دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۴۸ء

(۲) المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار
المثنیٰ لائبریری۔ بغداد ۱۹۷۰ء

Noor Jahan.

۱۱ نعمان - قاضی
اساس التاویل
دار الثقافہ - بیروت

فارسی

۱۲ حمد اللہ مستوفی
تاریخ گزیدہ
مؤسسہ چاپ و انتشاراتِ امیر کبیر ۱۳۳۹ شمسی

۱۳ رشید الدین فضل اللہ
جامع التواریخ (فصلی از جامع التواریخ)
مطبع تہران بہ کوشش محمد دبیر سیاقی
ایڈیشن ۱۹۵۸ء

۱۴ کریم کشاورز
حسن صباح
انتشارات کتاب خانۂ ابن سینا - تہران

۱۵ عطا ملک جوینی
تاریخ جہانگشا جلد سوم
بسعی و اہتمام و تصحیح عبد الوہاب قزوینی
مطبوعہ لندن - ۱۹۳۷ء

۱۶ میر خوند
روضۃ الصفا
مطبع نولکشور، لکھنؤ

۱۷ نور اللہ شوستری - قاضی
مجالس المؤمنین
کتاب فروشی اسلامیہ - تہران ۱۳۷۵ھ

اردو

۱۸ ابن خلدون
تاریخ ابن خلدون جلد ۳ (اردو ترجمہ)
مطبوعہ نفیس اکیڈیمی، کراچی ۱۹۶۶ء

۱۹ احمد امین - علامہ
فجر الاسلام (اردو ترجمہ)
ادارۂ طلوع اسلام - لاہور ۱۹۵۹ء

۲۰ عبد الرزاق، کانپوری
نظام الملک طوسی
نفیس اکیڈیمی - کراچی ۱۹۶۰ء

۲۱ ناصر خسرو سیدنا
سفرنامہ (اُردو ترجمہ)
مولوی عبدالرزاق کانپوری
انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی ۱۹۴۱ء

۲۲ ندوی، سلیمان سید
(۱) عرب و ہند کے تعلقات
الٰہ آباد، ۱۹۳۰ء

(۲) خیام
مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء

ENGLISH

23- Browne, E,G.
A literary History ol Persia (Part II)
Cambridge University Press
London, 1929.

24- Ibn - Tabataba
Al-Fakhri
Eng., Trans, by C.E.J. Whitting
Indus Publications
Karachi, 1977.

25- Shah Sayyid Nasir
Kalami Pir(Half Bab)
Edited W. Ivanow
Islamic Research Society
Bombay, 1935.